www.urducouncil.nic.in

ستمبر 2020، قیمت :- ₹10

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:8 شمارہ:09 ستمبر 2020

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746
ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ — 04
ڈاک خانہ — 05

مضامین
راستے کی رکاوٹوں کو دور کیجیے — سید نوشاد بیگم محمود — 06
ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن — وسیم سعید — 09
پانی: ہماری بنیادی ضرورت — نثار رحمن — 12
عظیم سائنسداں 'تھامس ایڈیسن' — محمد طاہر صدیقی — 15

بچوں کے بڑے ادیب
بچوں کے سعدی شیرازی — نیلوفر حفیظ — 17

نظمیں
اسکول بس — محمد اسد اللہ — 20
لب پہ تبسم رکھنا سیکھو — تنویر اختر رومانی — 20
اودے پور کی سیر — عزیز اللہ شیرانی — 21
علم — ضمیر انور — 22
شاما خوش الحان پرند — کوثر بھگوت پوری — 22
ماں کی اوڑھنی — خورشید جمال قاسم — 23
بارش کا پہلا قطرہ — ایم یوسف انصاری — 24

صحتِ اطفال
بچے کی صحت — ستیہ گپتا، مترجم: شمیم نکہت — 25

کہانیاں
عہد — اسد رضا — 28
ایک جوڑا جوتا — نذیر احمد یوسفی — 31
ریشمی اور شیرو — پرویز شہریار — 33
غبارے لے لو — صبیحہ تزئین — 37
آخری کوشش — عادل حیات — 39
ایک سخی شخص — احتشام الحق آفاقی — 42
ہیرے کی قیمت — صمد صفی — 44

بچوں کا کتب خانہ
بچپن زندہ ہے مجھ میں از حنیف کیفی — حقانی القاسمی — 46

اردو کا جادو
اردو زبان کا جادو — ادارہ — 48

قسط وار ناول
اُڈپیہ سمندری لڑکا — انیتا سرن — 49

کہکشاں
نصیحت آموز باتیں — علقمہ شبلی — 57
چمن چمن کے پھول — 59

ننھے فنکار
بچوں کی پینٹنگ — 61

قدرت نے انسان کو بہت سی صلاحیتیں دی ہیں، ان میں ایک صلاحیت سوچنے اور لکھنے کی بھی ہے۔ بہت سے لوگوں میں یہ صلاحیت ہوتی ہے، کہیں کم اور کہیں زیادہ۔

پیارے بچو! آپ کے اندر بھی صلاحیتیں موجود ہیں۔ آپ بھی بڑے آرٹسٹ اور فنکار بن سکتے ہیں اور اپنے ماں باپ اور ملک وقوم کا نام روشن کر سکتے ہیں۔ آرٹسٹ بننے کے لیے عمر کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ چھوٹی عمر میں بھی انسان آرٹسٹ بن سکتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا بہتر استعمال کر سکتا ہے۔ آپ کو پتہ ہوگا کہ بہت سی ایسی بڑی شخصیتیں گزری ہیں جنھوں نے بچپن سے ہی لکھنے کی مشق کی اور آگے چل کر وہ بہت بڑے آرٹسٹ، فنکار، ادیب اور شاعر کہلائے۔ آپ میں سے بہتوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کا نام سنا ہوگا جو ہمارے ملک کے پہلے وزیر تعلیم تھے اور انھیں ایک بڑے قلمکار، ادیب اور نثر نگار کی حیثیت سے پوری دنیا میں جانا جاتا ہے۔ انھوں نے بھی بہت چھوٹی سی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا، لوگوں نے لکھا ہے کہ مولانا آزاد دس گیارہ سال کی عمر میں اچھی شاعری کرنے لگے تھے اور بارہ تیرہ سال کی عمر میں اردو کے بڑے اہم اخبارات اور رسالوں میں ان کے مضامین چھپنے لگے تھے۔ بچپن کی مشق نے ان کے اندر لکھنے کی زبردست صلاحیت پیدا کر دی تھی جو آگے چل کر ان کے بہت کام آئی۔ پریم چند کا نام بھی آپ میں سے بہت سے بچوں نے سنا ہوگا جو اردو افسانے کا ایک بڑا نام ہے۔ انھوں نے بھی چھوٹی عمر سے کہانیاں پڑھنی اور لکھنی شروع کر دی تھیں۔ ان کے علاوہ آج کے بڑے بڑے ادیبوں، شاعروں اور کہانی کاروں کی زندگی پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ان میں سے زیادہ تر نے بچپن سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اگر آپ بھی ابھی سے لکھنے کی مشق کریں تو یقیناً آپ بھی بڑے فنکار بن سکتے ہیں۔ آج کے دور میں بھی نو دس سال کے بچوں نے ناول لکھے، کہانیاں لکھیں اور ان کی بڑی پذیرائی بھی ہوئی اور بڑے لوگوں نے ان چھوٹے بچوں کے حوالے سے حوصلہ افزائی کے کلمات بھی لکھے۔ اس لیے پیارے بچو! اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کے ساتھ آپ لکھنے کی بھی مشق کیجیے۔ آپ ہی مستقبل کے قلمکار ہیں۔ آپ کے ذہن میں جو جذبات ہیں انھیں آپ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ہی سہی لکھتے رہیے۔ ابھی آپ اگر غلط لکھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، آہستہ آہستہ وہ ساری غلطیاں صحیح ہوتی جائیں گی۔ غلط لکھتے لکھتے آدمی صحیح لکھنے لگتا ہے۔ جملے جوڑتے جوڑتے آپ خود بہ خود جملے بنانے بھی لگیں گے۔ آپ کے لیے بہت سے رسالے بھی نکلتے ہیں۔ ان میں آپ اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریریں بھیجیے وہ ضرور شائع ہوں گی۔ 'بچوں کی دنیا' تو آپ ہی لوگوں کے لیے ہے۔ آپ اِس میں اپنی تحریریں ارسال کیجیے۔ غلطیوں کی پرواہ نہ کیجیے۔ ادارہ آپ کی تحریروں کو درست کرکے شائع کرے گا— تو بچو! آپ نے لاک ڈاؤن کے دوران کیا کیا پڑھا، کیا کیا محسوس کیا، انھیں چند سطروں میں لکھ کر ہمیں بھیج دیجیے، ہم شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

اگست 2020 کا تازہ شمارہ 'بچوں کی دنیا' انٹرنیٹ پر پڑھا۔ نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے اور مضامین نیز شاعری بھی بہت خوب ہے۔ سرورق پر مجاہدین آزادی کی تصویر سے مزین یہ رسالہ آزادی کے لیے پیش کی جانے والی قربانیوں کے بارے میں بہت کچھ یاد دلا رہا ہے۔

'آپس کی باتیں' کے ذریعے مدیر نے مثبت سوچ کے بارے میں اچھی گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر شیخ عقیل نے بچوں کی کامیابی کے لیے خود اعتمادی مثبت سوچ اور مسلسل جدوجہد کے اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے کیونکہ اس سے بچوں کے روشن مستقبل کے امکانات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

مشہور سائنس داں جناب محمد خلیل صاحب نے سورج گرہن کے بارے میں اچھی اور مفید معلومات فراہم کی ہے۔ محترم انیس الحسن صدیقی صاحب نے 'وایومترا کی کہانی، اس کی زبانی' میں دلچسپ معلومات جمع کی ہے۔

عاکف سنبھلی نے یونیسیف کے سلسلے میں عمدہ تفصیل پیش کی ہے۔ دیگر مضامین اور نظمیں جیسے مناظر عاشق کی پندرہ اگست اور راشد جمال فاروقی کی 'بابا گورونانک' اور 'غبارہ' وغیرہ اچھی نظمیں ہیں، تمام قلم کاروں کو مبارک باد۔ آپ نے میرا سائنسی مضمون 'فوٹو گرافی کا عالمی دن' شائع فرمایا، اس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میری جانب سے تمام قلم کاروں کو مبارک باد اور نیک تمنائیں۔

مولوی محمد عبادہ قاسمی، پورہ معروف، ضلع مئو، اتر پردیش

'بچوں کی دنیا' اگست کا شمارہ دیکھا۔ کافی معلوماتی مضامین ہیں۔ آزادی کے بارے میں نظم پندرہ اگست بہت خوب ہے۔ کہانیاں بھی لاجواب ہیں۔ محمد عبادہ قاسمی نے فوٹو گرافی سے متعلق بہترین معلومات جمع کر دی ہیں۔ میری جانب سے تمام قلمکاروں اور 'بچوں کی دنیا' کے پورے عملے کو ڈھیروں مبارکباد!

انصار احمد معروفی، مئو، اتر پردیش

'بچوں کی دنیا' کا اگست کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ بہت اچھا لگا۔ ٹائٹل نہایت دیدہ زیب اور پُرمعنی ہے۔ اسے دیکھ کر آزادی کا منظر نامہ سامنے آجاتا ہے۔ شمارے میں جو مضامین شامل کیے گئے ہیں، معلوماتی اور سبق آموز ہیں۔ کہانیاں اور نظمیں بھی عمدہ ہیں۔ بچے ان نظموں سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ گاندھی جی پر ایک مضمون اور دو نظمیں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ گاندھی جی پر جتنا لکھا اور پڑھا جائے، اتنا ہی کم ہے۔ آزادی کے لیے ان کی بے پناہ قربانیاں تو ہیں ہی مگر سماج کے لیے بھی انھوں نے بہت کچھ کیا ہے، ان کی عملی زندگی اور ان کی تعلیمات سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی اور مجاہد آزادی پر کوئی مضمون یا نظم شامل اشاعت نہیں کی گئی۔ جب کہ تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں اور بڑھ چڑھ کر اپنی قربانیاں پیش کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ گاندھی جی کے ساتھ دوسرے مجاہدین آزادی پر بھی کچھ مضامین شامل کر لیے جاتے۔ بہر کیف تازہ شمارہ بہت عمدہ ہے۔ مبارکباد قبول فرمائیں۔

ابو سلمان، محلہ ٹنڈولہ ٹانڈہ رامپور، یوپی

راستے کی رکاوٹوں کو دور کیجیے

سید نوشاد بیگم محمود

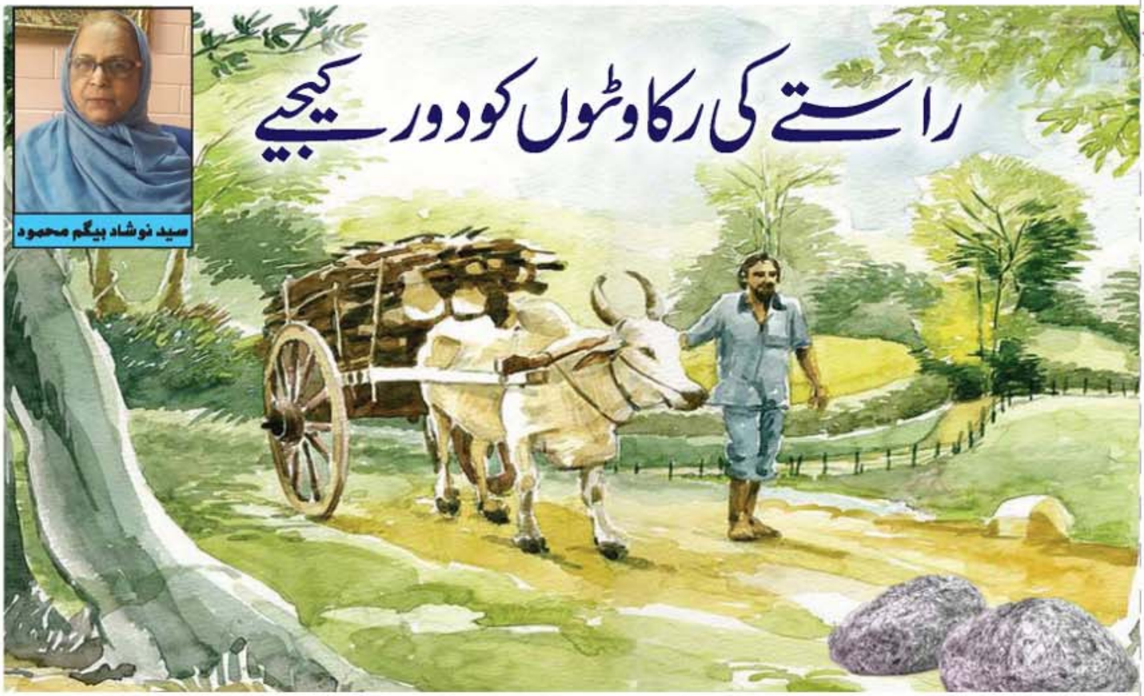

بچو! ایک سبق آموز کہانی آپ کو سناتے ہیں۔ پرانے زمانے میں ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ اسے اپنی رعایا کی بہت فکر رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ سوچتا کہ میری رعایا کے خیالات بہت عمدہ ہونا چاہئیں۔ انھیں اچھی باتوں کی عادت لگنی چاہیے، اور ان تمام کاموں کے لیے وہ بہت بیدار رہتا۔ ہمیشہ نئے نئے تجربات کرکے اچھی باتیں اپنی رعایا تک پہنچانے کی کوشش کرتا۔

ایک مرتبہ اس نے راستے یعنی کہ راہداری کے مقام پر ایک بڑا گول پتھر لاکر رکھوادیا اور وہ خود ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن وہ سب کو دیکھ سکتا تھا۔ اسے صرف یہ دیکھنا تھا کہ میں نے راستے میں جو اتنا بڑا پتھر رکھوایا ہے، اسے کون راستے سے ہٹاتا ہے۔

راجہ کے دربار کے کئی درباری، امیر، امرا، کئی بیوپاری اسے راستے سے جاتے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ صرف ایک نظر اس بڑے پتھر پر ڈالتے اور بازو سے جگہ بنا کر نکل جاتے۔ کئی لوگ تو بلند آواز میں راجہ کو ہی برا بھلا کہنے لگے، کچھ بددعائیں دے رہے تھے کہ کیسا راجہ ہے جو راستے کی رکاوٹ دور نہیں کرتا لیکن کسی نے بھی یہ کوشش نہیں کی کہ ہم اسے راستے سے ہٹا دیں اور آنے جانے والے انسانوں کے لیے سہولت پیدا کردیں۔

اتنے میں راجہ نے دیکھا کہ ایک کسان اپنی بیل گاڑی میں سبزی ترکاری لے کر راستے سے جارہا تھا۔ راستے کا وہ بڑا پتھر جب اس نے دیکھا تب اپنی بیل گاڑی راستے کے ایک طرف کھڑی کی اور راستے کا وہ پتھر ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ پتھر ہٹانے کے لیے اتنی طاقت لگارہا تھا کہ اس کے جسم سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ آخرکار وہ پتھر کو ہلانے میں کامیاب ہوگیا اور اس پتھر کو ڈھکیلتے ہوئے ایک جانب رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ اپنی سبزی ترکاری کی گاڑی ہانکنے لگا تو اس کی نظر اس پتھر کے نیچے رکھی ہوئی ایک تھیلی کی جانب گئی۔ اس نے جاکر وہ تھیلی کھولی اور حیرت کی بات یہ کہ اس میں

سونے کی اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں اور راجہ کی لکھی ہوئی ایک چٹھی بھی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ جو انسان راستے کا یہ بڑا پتھر دور کرے گا اس کے لیے یہ سونے کی اشرفیاں انعام کے طور پر دی جاتی ہیں۔ اس بیچارے غریب کسان نے راستے سے آنے جانے والے امیر اور عام انسانوں کو کتنا بڑا اسبق دیا تھا۔ کتنی بڑی مثال دی تھی جو کئی لوگوں کے ذہن میں ہی نہیں آئی تھی۔

بچو! ہمارے سامنے جتنی بھی رکاوٹیں آتی ہیں وہ سب ہماری اصلاح کروانے کا ایک اچھا موقعہ ہمیں دے جاتی ہیں۔

زندگی کسی کے لیے تھمتی نہیں۔ صرف زندگی جینے کی وجوہات بدلتی رہتی ہیں۔ ہر مسئلہ حل نہیں ہوتا لیکن چند سوالات وقت کے ساتھ حل ہوجاتے ہیں۔

بچو! یہ تو ہم نے دیکھا کہ راستے کی رُکاوٹ کس طرح دوٗر کریں گے لیکن اب اسی سے مربوط ایک نصیحت آمیز کہانی آپ کو سُناتے ہیں حُسن سلوک یا اچھا برتاؤ۔

ایک بزرگ آدمی لکڑی ٹیکتے ٹیکتے ایک ریستوران میں داخل ہوئے۔ ان کا سر اور کندھے آگے کی جانب جھکے ہوئے تھے۔ اپنی لکڑی کا سہارا لیتے ہوئے ہر قدم آگے کی جانب بڑھا رہے تھے۔ صبح ناشتے کے لیے ریستوران میں بہت بھیڑ تھی۔ وہ اُس بھیڑ میں بھی بہت الگ نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔ انھوں نے ایک پھٹا ہوا کوٹ پہنا تھا اور اُن کے پاجامے کو کئی پیوند کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ اُن کے جوتے بھی پھٹے ہوئے تھے۔ لیکن اُن کے چہرے سے بہت پیار اور خلوص نمایاں ہو رہا تھا۔ اُن کی آنکھیں ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں۔ اُن کے گالوں پر گلابی پن تھا۔ اور پتلے ہونٹوں پر مدّھم سی مسکراہٹ سب کا دل موہ رہی تھی۔

ہوٹل میں داخل ہوتے ہی اُنھوں نے اپنے مکمّل جسم کو گھمایا اور دروازے پر بیٹھی ہوئی ایک چھوٹی بچّی کی طرف دیکھا وہ معصوم بھی اُنھیں ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ بزرگ شخص کو دیکھ کر وہ بھی مسکرائی۔ اُن کی شخصیت عجیب سحر انگیز معلوم ہو رہی تھی۔ خلیل نامی ویٹر کا دھیان اُس بزرگ کی جانب گیا اُن کی کرسی پر بیٹھنے کی ناکام کوشش اُس نے دیکھی اور وہ دوڑ کر اُن کی جانب لپکا اور بولا۔ محترم! مہربانی کر کے میرا ہاتھ پکڑیئے۔ میں آپ کو اس کُرسی پر بیٹھا تا ہوں۔

کچھ نہ کہتے ہوئے اُس معمّر انسان نے گردن جھکا کر اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اپنے ایک ہاتھ کا مضبوط سہارا دیتے ہوئے اُس نے بزرگ آدمی کو کُرسی پر بٹھایا۔ بعد میں تھوڑا ٹیبل کھسکایا تا کہ وہ آرام سے بیٹھ سکیں۔ اب وہ کُرسی پر بیٹھ کر بہ آسانی سے ناشتہ کر سکتے تھے۔ اپنی بیٹھی ہوئی آواز میں بذرگ نے کہا۔ آپ نے میرے ساتھ جو نیک برتاؤ کیا اُس کے لیے میں آپ کا احسان مند ہوں۔

صاحب آپ کا تو یہ حق ہے اور میرا فرض ہے۔ صاحب میرا نام خلیل ہے۔ آپ تھوڑا بیٹھیے میں کچھ ہی دیر میں آپ کے پاس آتا ہوں اور اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو میری طرف دیکھ کر صرف ہاتھ ہلایئے۔ میں فوراً حاضر ہوجاؤں گا۔ بزرگ انسان نے آرام سے ناشتہ کیا اور بعد میں گرم کافی پی۔ اُنھوں نے اپنا بل بھی ادا کیا۔ خلیل نے اُن کی ریزگاری اُنھیں واپس لاکر دیے۔ اُن کا بل رکھ کر اُنھیں سونف پیش کی۔ اُنھیں اُن کی کرسی سے اُٹھنے میں مدد کی۔ ٹیبل کے پیچھے رکھی ہوئی لکڑی اُن کے ہاتھ میں دی اور ہوٹل کے دروازے تک جانے میں اُن کی مدد کی اُن کے لیے دروازہ کھولا۔

دروازہ ہاتھ سے پکڑے ہوئے خلیل بولا۔ صاحب ایسے ہی ملنے اور اپنی خدمت کا موقعہ دینے کے لیے دوبارہ

آتے رہیے۔ وہ بزرگ انسان پیچھے مُڑے اور پیاری سی مسکان چہرے پہ بکھیرے ہوئے اپنی میٹھی آواز میں بولے۔ شکریہ آپ بہت ہمدرد اور محبت کرنے والے انسان ہو۔

خلیل جب ٹیبل صاف کرنے کے لیے گیا تو اُسے بہت حیرانی ہوئی وہاں اُن کا شناختی کارڈ رکھا ہوا تھا۔ اور اس پر ایک چٹھی لکھی ہوئی تھی۔ جس میں لکھا تھا۔ خلیل میں تمھاری بہت عزت کرتا ہوں اور مجھے بھی یقین ہے کہ تمھیں بھی خود سے بہت عزت ہوگی۔ وہ تمھارے برتاؤ سے ظاہر ہوتا ہے۔ تمھیں خوشیاں بانٹنے اور سکھ دینے کی کُنجی مِل گئی ہے۔ تم سے جو بھی لوگ ملتے ہیں وہ تمھارے برتاؤ سے بے حد خوش ہوتے ہیں۔

جس انسان کی خلیل نے خدمت کی تھی وہ اُس ہوٹل کا مالک تھا۔ خلیل اور دیگر ملازمین نے انھیں پہلی مرتبہ ہی دیکھا تھا۔ جب وہاں کی انتظامیہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُنھوں نے مالک کو فون کیا اور دوسرے روز بھی ذرا جلدی ہوٹل آنے کی درخواست کی۔ اُنھوں نے دوسرے روز آ کر خلیل کی حوصلہ افزائی پروگرام کیا۔ اور دوسرے ملازمین کو بھی سمجھایا کہ اپنے گاہک کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے۔

جو لوگ خدمت کروانا جانتے ہیں وہ گاہک کو تو آرڈر دے کر اپنی خدمت ویٹرس سے حق کے ساتھ کروا لیتے ہیں۔ لیکن اپنے گاہک سیوا کی حقیقی کسوٹی وہ ہوتے ہیں جنھیں ہماری خدمت کی صحیح ضرورت ہوتی ہے اور وہ ضد بھی نہیں کر سکتے۔ اور اُن کا سماجی اور اقتصادی درجہ بھی فوراً ہمارے ذہن میں نہیں آتا۔ ان کے ساتھ ہم کس طرح پیش آتے ہیں اس سے ہمارے اچھے یا برے سلوک کی جانچ ہوتی ہے۔

■

Sayyed Naushad Begum Mahmood
Shree Darshan Apt. B-203
Mumbai Pune Road, Kalwa
Thane- 400605
Mob.: 9867650210

وسیم سعید

ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن

سروپلی رادھا کرشنن آزاد ہندوستان کے پہلے نائب صدر جمہوریہ اور دوسرے صدر جمہوریہ تھے۔ اس کے علاوہ ایک قابل اور مثالی استاد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی یاد میں ہر سال پانچ ستمبر کو یوم پیدائش پر یومِ اساتذہ یعنی ٹیچر ڈے بڑی آن، بان اور شان کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ چونکہ رادھا کرشنن پیشے کے لحاظ سے استاد یعنی علم فلسفہ کے مشہور ومعروف پروفیسر تھے، اس لیے جب ان کے شاگردوں نے اپنے استاد کا جنم دن منانے کی خواہش ظاہر کی تو ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ان سے کہا کہ 'ضرور مناؤ'۔ لیکن میرے یومِ پیدائش کے طور پر نہیں بلکہ یومِ اساتذہ کے طور پر۔ اس لیے سارے ملک میں پانچ ستمبر 1962 کو نہایت احترام وعقیدت سے پہلا یومِ اساتذہ یعنی ٹیچرس ڈے منایا گیا۔ تب سے آج تک ہمارے وطن ہندوستان میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کا یومِ ولادت 'یوم اساتذہ' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''اساتذہ کا دماغ بہترین اور عمدہ ہونا چاہیے کیونکہ ملک کو بنانے میں ان کا تعاون بڑا مددگار ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر رادھا کرشنن کی ولادت پانچ ستمبر 1888 کو تمل ناڈو کے ایک چھوٹے سے گاؤں Thirauttani میں برہمن خاندان میں ہوئی تھی۔ ان کی والدہ کا نام ترومتی سیتا اور والد کا نام ویرا سوامی تھا۔ وہ غریب ضرور تھے لیکن دانشور برہمن تھے۔ ان کے کندھوں پر پورے

خاندان کی ذمہ داری تھی۔اسی وجہ سے رادھا کرشنن کو بچپن میں وہ تمام سہولتیں اور عیش و آرام میسر نہیں ہوا جو انھیں ملنا چاہئے تھا۔ ان کی شادی سولہ سال کی عمر میں Sivakamu سے کردی گئی تھی۔ جس سے ان کو پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اُن کے بیٹے کا نام سروو پلی گوپال تھا جنھوں نے ہندوستان کا عظیم تاریخ داں بن کر اپنے والد کا نام روشن کیا۔ 1956 میں رادھا کرشنن کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ رارھا کرشنن کا بچپن Thirauttani گاؤں میں گزرا۔ جہاں انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم شروع کی۔اس کے بعد انھیں کرسچن مشنری سوسائٹی اسکول (Chirstian Missionary Society School) میں داخل کردیا گیا۔ یہاں 1896 سے 1900 تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدراس کرسچن کالج مدراس سے اپنی آگے کی تعلیم مکمل کی۔ڈاکٹر رادھا کرشنن ابتدائی دور سے ہی ایک قابلِ تعریف اور مثالی طالب علم تھے۔ انھوں نے 1906 میں فلسفے میں ایم۔ اے کیا۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انھیں اُس میدان میں اسکالرشپ ملتی رہی۔ 1909 میں Madras Presidency college میں فلسفے کے معاون معلم مقرر ہوئے۔ 1916 میں اُسی کالج میں بطور معلم کام انجام دیا۔ 1918 میں میسور یونیورسٹی کے ذریعے انھیں فلسفے کے پروفیسر کے طور پر منتخب کیا گیا۔ 1921 سے 1932 تک یونیورسٹی آف کلکتہ میں دماغی اور اخلاقی سائنس کے کنگ جارج وی چیئر کے طور پر منتخب کیے گئے۔ 1932 سے 1954 تک آکسفورڈ یونیورسٹی میں مشرقی مذہب اور اخلاقیات کے اسپالڈنگ پروفیسر کے ذریعے پروفیشنل چیئر پر قائم ہونے والے پہلے ہندوستانی بنے۔ 1926، 1929 اور 1930 میں مانچسٹر کالج آکسفورڈ میں پروفیسر رہے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن تعلیم کی اہمیت وافادیت کو خوب سمجھتے اور جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں' ماہرِ تعلیم' بھی کہا جاتا ہے۔ تعلیم نے انھیں ایک مثالی شخصیت بنادیا تھا۔ وہ کچھ نیا سیکھنے، پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے خود کو ہر وقت تیار رکھتے تھے اور اپنی جستجو میں بے چین اور بے قرار رہتے تھے۔ جس کالج سے انھوں نے ایم اے کی ڈگری حاصل کی تھی، اُسی کالج میں ان کو وائس چانسلر بنایا گیا لیکن ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ایک سال کے دوران ہی اُس عہدے کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ بنارس یونیورسٹی میں وائس چانسلر بنا گئے۔ اسی دوران انھوں نے فلسفے پر کئی کتابیں لکھی تھیں۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن وویکا نند اور ویرساورکر کو اپنا مثالی استاد مانتے تھے۔ وہ ان کے بارے میں بہت گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے پوری دنیا کو ہندوستانی فلسفے سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ آپ اعلیٰ ذہانت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کی تہذیب وتمدن سے پیار کرنے والے شخص بھی تھے۔ جب ہندوستان آزاد ہوا تو اُس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے مطالبے پر انھوں نے ماہر سفیر کے طور پر سویت یونین کے ساتھ سیاسی کاموں کو مکمل کیا۔ نہرو جی کی بات کو قبول اور تسلیم کرتے ہوئے ڈاکٹر رادھا کرشنن نے 1947 سے 1949 تک آئین ساز اسمبلی کے ممبر کے طور پر بھی کام کیا۔ پارلیمنٹ کے سبھی لوگ ان کے کاموں اور حسن سلوک کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے کامیاب کیریئر کے بعد سیاست میں بھی قدم رکھا۔ ہندوستان کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد کے مقابلے میں آپ کا دور کافی مشکل بھرا اور دشوار کُن تھا۔ کیونکہ جہاں ایک طرف ہندوستان کو چین سے مقابلہ کرنا پڑا وہیں دوسری طرف پاکستان سے جنگ کرنی پڑی جس میں ہندوستان کو چین کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا جبکہ پاکستان سے فتح حاصل ہوئی۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن کو تعلیم اور سیاست کے میدان میں عمدہ کارکردگی کے لیے 1954 میں ملک کے سب سے بڑے اعزاز 'بھارت رتن' سے نوازا گیا۔ 1962 میں ان کی شان میں حکومتِ ہند نے ان کے یومِ ولادت پر پانچ ستمبر کو یومِ اساتذہ کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔ آپ کو 1962 میں برطانیہ اکیڈمی کا ممبر بھی بنایا گیا۔ پوپ جان پال نے ان کو 'سنہری نیزہ' کے اعزاز سے نوازا۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے بھارتی فلسفے اور مذہب کے اوپر مختلف کتابیں لکھیں۔ جیسے 'گوتم بدھ کی زندگی اور فلسفہ'، 'مذہب اور سماج'، 'بھارت اور دُنیا' وغیرہ۔ ان کی زیادہ تر تحریر کی گئی کتابیں انگریزی زبان میں شائع ہوئیں۔ 1967 میں یومِ آزادی کے موقعے پر ملک کے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ وہ اب مستقبل میں بھارت کے صدر جمہوریہ نہیں بنیں گے اور یہ بطور صدر جمہوریہ ان کی آخری تقریر تھی۔ 17 اپریل 1975 کو طویل بیمار کے بعد 83 سال کی عمر میں وہ وفات پا گئے۔ تعلیم کے میدان میں ان کے تعاون کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

سروو پلی رادھا کرشنن پورے سماج کو اسکول کے مانند تصور کرتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ اگر صحیح طریقے سے تعلیم دی جائے تو سماج اور معاشرے کی تمام برائیوں اور خرابیوں کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ آپ کا ماننا تھا کہ شخصیت سازی اور کردار سازی میں تعلیم کا اپنا اہم اور منفرد مقام ہوتا ہے۔ سماج اور معاشرے میں امن و امان، خوشحالی اور بھائی چارہ کو قائم رکھنے کے لیے تعلیم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ صحیح معنوں میں تعلیم انسان کے شعور کی نشو ونما میں اپنا خاص کردار ادا کرتی ہے اور تمام رنج وغم سے آزادی بھی دِلاتی ہے۔

سروو پلی رادھا کرشنن کا کہنا تھا کہ ایک کامیاب استاد وہی ہوتا ہے جس میں مثبت سوچ، اچھی توقع اور اچھی کوشش

ہو اور جو کبھی اُمید کے دامن کو ترک نہ کرے اور نہ ہی اپنے طالب علم کو چھوڑنے دے۔ اگر استاد ہی امید کو چھوڑ دے تو ایک طالب علم کو بھی زندگی کا راستہ نہیں مل سکے گا۔ اُسے باہر کی دنیا اور اس سے تعلق رکھنے والے صحیح اور غلط راستے کا انتخاب اساتذہ کے ذریعے ہی سیکھنے اور کرنے کو ملتا ہے۔

ایک انسان جب کامیابی کی منزلوں اور بلندیوں کو چھوتا ہے تب اس کا نام دُنیا میں روشن ہوتا ہے۔ اس اونچے عہدے پر کبھی معلم نہیں پہنچتا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بغیر معلم کے وہ کامیاب بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کی کامیابی میں اساتذہ کا رول اور کردار بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ تعلیم کے متعلق رادھا کرشنن کے عظیم خیالات اور تصورات کو مدنظر رکھتے ہوئے یومِ تعلیم کے موقع پر آؤ ہم سب یہ عہد کریں کہ تعلیم کی روشنی کو ملک کے ہر فرد تک پہنچائیں گے۔

■

Waseem Sayeed
Gujri Bazar, Masood Hotal ke pass
Kamptee 441001
Dist. Nagpur (Maharashtra)
Mob.: 7620594269

ثنا رحمن

پانی: ہماری بنیادی ضرورت

ہماری زندگی کے لیے پانی ایک اہم چیز ہے اس کے بغیر کسی طرح کی زندگی کا تصور ہی ممکن نہیں ہے۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ زمین کا دوتہائی حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے اور ہمارے جسم کا بھی 75 فیصد حصہ پانی سے بنا ہوا ہے۔ ایک مناسب توانا جسم میں 24 لیٹر پانی ہونا چاہیے۔ اگر ان میں سے 7.2 لیٹر کی بھی کمی واقع ہو جائے تو ہمارا جسم (Dehyderation) یعنی تھکان، کمزوری، سر درد اور بے چینی جیسی شکایات میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ کرۂ زمین کا 97 فیصد حصہ کھارہ پانی پر مشتمل ہے۔ پینے کا پانی صرف 3 فیصد ہی ہے۔ جو ہمیں مختلف ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔

پانی کی یہ اہمیت تو اپنی جگہ۔ مگر انسان اپنی اس ضروری و لازمی چیز کو جس بے توجہی اور بے دردی کے ساتھ برباد کر رہا ہے۔ اس سے خدشہ ہے کہ آئندہ خود اس کو پانی کے شدید بحران سے دو چار ہونا پڑے کیونکہ آج کی مصروف ترین اور بے جا بڑھتی ہوئی دنیا میں جس طرح سے پانی کے ذخائر برباد کیے جا رہے ہیں یا پانی کو گندگی و کثافت آلود کیا جا رہا ہے۔ وہ ایک لمحۂ فکریہ ہے آج کی دنیا میں آبادی میں بے پناہ اضافہ، کاشت کاری کے لیے زائد زمین کی ضرورت، صنعتوں کا پھیلاؤ اور پانی کے بے جا استعمال کی وجہ سے پینے کے پانی میں بتدریج کمی ہوتی جا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے آئندہ ہمیں پانی کی زبردست قلّت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

پانی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے۔ پانی کا استعمال بہت سے طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ جن میں اس کا گھریلو استعمال سب سے بنیادی ہے۔ حفظانِ صحت کے اصول کے مطابق نہایت شفاف اور صحت بخش پانی کا استعمال ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ باغبانی اور حیوانات کے لیے بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں صنعتوں کی بہتات اور جدید ٹکنالوجی کی کثرت کی وجہ سے پانی کی بڑی مقدار مشینوں اور آلاتِ جدیدہ کے لیے بھی استعمال میں لائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ

ہی اب پانی کی ضرورت بجلی وغیرہ بنانے میں بھی ہوتی ہے۔ جہاں بڑی مقدار میں پانی صرف ہوتا ہے۔ اس طرح ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آج کے زمانے میں پانی کے اخراجات کے بہت سے ذرائع ہیں۔ مگر آبی وسائل وہی ہیں جو آج سے پہلے میں تھے۔ اس لیے اس وقت پانی کے محتاط استعمال اور بڑی مقدار میں اس کو بچانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ ہمارے استعمال کے ساتھ ہی جدید ذرائع کے لیے بھی وافر مقدار میں پانی محفوظ رہ سکے۔

پانی کے حوالے سے آج ایک لمحۂ فکریہ یہ بھی ہے کہ صنعتی انقلاب اور آبادی میں اضافے کی وجہ سے ماحولیات کو زبردست خطرہ ہو چلا ہے۔ کیونکہ کاشتکاری کی زمینوں پر رہائشی مکانوں اور فیکٹریوں وغیرہ کی تعمیر کے لیے بڑی تعداد میں پیڑ پودوں کو کاٹا گیا ہے اور کھیتی کی زمین کو رہائشی علاقوں میں بدل دیا گیا ہے جو ماحولیات کے لیے زبردست خطرہ بن گیا ہے۔ کیونکہ اب کھلی فضا دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انسانی صحت کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہیں دوسری جانب نباتات کم ہو جانے کی وجہ سے موسمیاتی تبدیلیاں بھی رونما ہونے لگی ہیں اور بارش کی قلت بھی ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ جس سے کاشت کاری اور شجرکاری پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں۔ پیڑ پودے کم ہو جانے کی وجہ سے آکسیجن کی قلّت اور کاربن ڈائی آکسائڈ کی بہتات فضائی آلودگی کا بڑا سبب بن گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کارخانوں سے بہتا ہوا فضلہ پانی میں شامل ہو جانے کی وجہ سے اس کی کثافت کی وجہ بن جاتا ہے اور صاف پانی کی قلت ہوتی جارہی ہے۔ آنے والے وقت میں اس کے اور بھی زیادہ بڑھ جانے کا ڈر ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس طرف توجہ دیں اور صاف و قابل استعمال پانی کو محفوظ کرنے کا مؤثر طریقہ دستیاب کریں۔ تاکہ آنے والی نسلوں کو پانی کے بحران سے محفوظ رکھا جاسکے۔

پانی کی آلودگی سے ہمارے لیے اس کے استعمال کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے مضر اثرات ہمارے ماحول پر بھی پڑتے ہیں۔ پانی کی قلت یا اس کے تعلق سے مختلف قسم کی بیماریاں جیسے ٹائیفائڈ، کالیرا، پیچش (Dysentry)، یرقان(Jaundice)، پٹھوں اور جوڑوں کا درد، پولیو، ڈینگو، ملیریا جیسی مہلک بیماریاں پھیلنے لگتی ہیں۔ آلودہ پانی استعمال

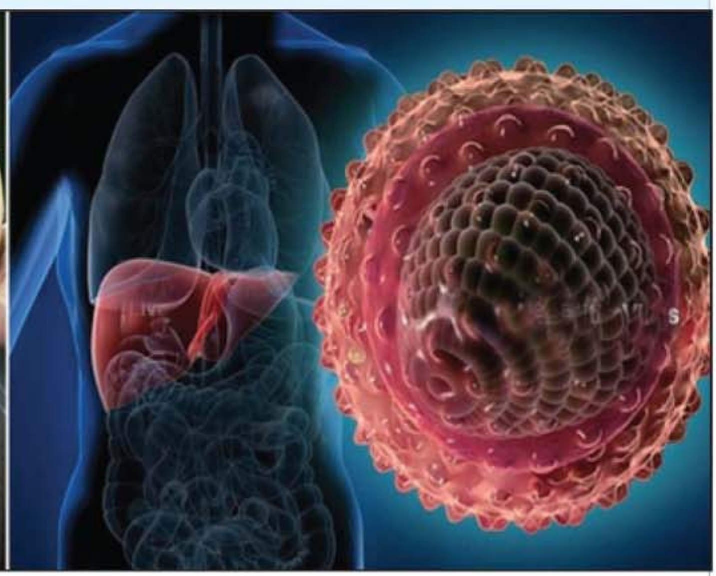

کرنے سے گردے، دل متاثر ہوتے ہیں۔ دوران خون کم ہو جاتا ہے۔ اور جلدی بیماریاں بھی ہو جاتی ہیں۔ آلودہ پانی سے آبی جانداروں پر بھی برا اثر پڑتا ہے اور بڑی تعداد میں ان کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ماحول کو صاف ستھرا رکھیں اور پانی کو بھی آلودگی و کثافت سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کریں۔

پانی کو آلودگی سے محفوظ رکھنے اور ماحول کو صاف بنانے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم زیادہ سے زیادہ پیڑ لگائیں۔ زہریلے مادے سے اپنے ماحول کو صاف رکھیں۔ گندے اور کثیف ماڈے کو مناسب طریقے سے ضائع کریں۔ اسے کسی طرح بھی پانی یا ماحول میں شامل نہ ہونے دیں۔ رڈی، کوڑا کرکٹ اور استعمال شدہ فاضل ماڈے کو مناسب طریقے سے ضائع کریں۔ یا اس کو دوبارہ استعمال کے قابل بنائیں تا کہ اس کے بداثرات ماحول اور پانی میں شامل نہ ہونے پائیں۔

اس طرح ہمیں امید ہے کہ اگر ہم اپنی ذمے داری کو نبھاتے ہوئے اپنے ماحول اور پانی کو صاف ستھرا رکھیں گے۔ اور ہر طرح کی گندگی و کثافت سے اس کو محفوظ رکھیں گے۔ تو ہمیں پینے کے لیے صاف پانی بھی میسر ہوتا رہے گا۔ اور ہم آبی ذخائر کو محفوظ رکھنے میں بھی کامیاب رہیں گے۔ بصورت دیگر اگر اس طرف غفلت یا عدم ذمہ داری کا رویّہ اپنایا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ نہ صرف ہم ضروری کام کے لیے بھی پانی کو ترس جائیں گے بلکہ ہماری زندگی کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔

■

Sana Rahman
Principal, Allama Iqbal School
Miyan Sarai
Sambhal - (UP)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر.................................. بتاریخ..................................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

عظیم سائنس داں 'تھامس ایڈیسن'

محمد طاہر صدیقی

ایک ایسی کہانی جو آپ کے دل سے ناکامی کا ڈر ہمیشہ کے لیے نکال دے گی۔ دنیا کے سب سے نامور سائنسدانوں میں سے ایک 'تھامس الوا ایڈیسن' بہت ہی محنتی انسان تھے۔ ان کی پیدائش 11 فروری 1847 کو ہوئی تھی۔ بچپن میں انھیں یہ کہہ کر اسکول سے نکال دیا گیا تھا کہ وہ کند ذہن بچہ ہے۔ اسکول سے واپس گھر لوٹ آئے ایڈیسن نے ماں سے کہا۔ ماں! اب ہم اسکول کی فیس اور یونیفارم کو نظر انداز نہیں کر سکتے، آج مجھے اسکول سے نکال دیا گیا ہے۔

ماں نے کہا۔ ''بیٹا ان سے کہنا تھا کہ کچھ دن کی مہلت اور دے دیں۔ ایڈیسن نے اداس ہو کر بولا: وہ تو کہا تھا ماں۔ لیکن اسکول والے مانتے ہی نہیں۔ ماں کا من اداس ہو گیا۔ پھر کچھ سوچا اور دوسرے ہی پل جیسے کچھ مضبوط ارادہ کرلیا ہو۔ ماں بولی ٹھیک ہے بیٹے۔ اب تم اسکول جانا بھی مت! میں گھر پر ہی تمھیں پڑھاؤں گی اور ماں نے گھر پر ہی پڑھانا شروع کر دیا۔ ایڈیسن کے لیے اب گھر ہی اسکول تھا اور ماں ہی استاد۔ ماں اسے Self Study کے ذریعے امتحانوں میں شامل کراتی رہیں اور بیٹا امتحانوں میں کامیاب ہوتا رہا۔ بیٹے کی خود اعتمادی، محنت اور سچی لگن کے مطابق درجہ بہ درجہ اوپری درجہ حاصل کرتے ہوئے یہی بچہ آگے جا کر سائنٹسٹ بنا۔

بچپن میں کند ذہن بچہ ہونے کے باوجود تھامس ایڈیسن نے کئی اہم ایجادات کیں جن میں بجلی کا بلب خاص ہے۔ بجلی کے بلب کو ایجاد کرنے میں انھیں کڑی محنت کرنی پڑی۔ ایک بار جب وہ بلب بنانے کے لیے کئی Experiment کر رہے تھے تبھی ایک لڑکے نے ان سے پوچھا آپ نے قریب ایک ہزار Experiment کیے لیکن آپ کے سارے استعمال ناکام رہے۔ ساتھ ہی آپ کی محنت اور وقت بھی بیکار ہوا۔ کیا آپ کو دکھ نہیں ہوتا ہے؟ اس پر انھوں نے کہا ''میں ناکام نہیں ہوا بلکہ میں نے ہزاروں Experiment کر کے ایسے راستے نکال لیے کہ ان ایک ہزار طریقوں سے بلب نہیں بنایا جا سکتا۔ میرا ہر Experiment بلب بنانے کے عمل کا حصہ ہے اور میں اپنی ہر کوشش کے ساتھ ایک قدم آگے بڑھتا ہوں۔ ایڈیسن نے اپنی پہلی لیبارٹری صرف 10 سال کی عمر میں بنالی تھی۔ ان کی ماں نے انھیں ایک ایسی کتاب دی جس میں کئی سارے کیمیائی استعمال دیے ہوئے تھے۔ ایڈیسن کو یہ کتاب بھا گئی اور انھوں نے اپنے سارے پیسے کیمیکل پر خرچ کر کے یہ سارے استعمال کر ڈالے۔ ایڈیسن کو بچپن میں اپنے

استعمال جاری رکھنے کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی۔ پیسے کمانے کے لیے وہ ٹرینوں میں اخبار اور سبزی بیچتے تھے۔ جب ان کا کوئی استعمال پورا ہونے کو ہوتا تو وہ بنا سوئے لگا تار چار چار دن اس استعمال کے ختم ہونے تک لگے رہتے۔ ساتھ ہی کام کرتے وقت کئی بار اپنا کھانا ہی بھول جاتے تھے۔ سال 1879 سے 1900 تک ہی ایڈیسن اپنی ساری تلاش پوری کر چکے تھے اور وہ ایک سائنسداں کے ساتھ ساتھ ایک امیر سودا گر بھی بن چکے تھے۔

ہونہار سائنسداں تھامس الوا ایڈیسن ہر وقت اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن ان کی بیوی نے ان سے کہا کہ اتنے دنوں سے آپ سخت محنت میں لگے ہیں، اب تو کچھ دنوں کے لیے آرام کر لیجیے۔ ایڈیسن کو اپنی بیوی کی بات صحیح لگی پھر انھوں نے تھوڑا سوچا اور کہا ''تمھیں بتاؤ مجھے چھٹیاں منانے کہاں جانا چاہیے؟ کون سی جگہ آرام کے لیے اور گھومنے کے لیے اچھی ہوگی؟''

یہ سن کر ان کی بیوی مسکرائی اور بولی، ''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ اتنی بڑی دھرتی ہے۔ آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں!'' ایڈیسن نے کہا، تم صحیح کہہ رہی ہو۔ جانا مجھے ہے تو مجھے ہی یہ طے کرنا ہوگا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ ایسی کون سی جگہ ہوسکتی ہے جہاں مجھے سب سے زیادہ سکون ملے۔ یہ سن کر ان کی بیوی خوش ہوگئیں۔ ایڈیسن سوچنے لگے کہ چھٹی منانے کے لیے سب سے بہتر جگہ کون سی ہوسکتی ہے جہاں اچھی طرح چھٹیاں منائی جاسکیں۔ شام کو بیوی نے پوچھا۔ کیا میں جان سکتی ہوں کہ آپ چھٹیاں منانے کہاں جا رہے ہیں؟ پھر جا کر ایڈیسن بولے، کل آپ کو پتہ چل جائے گا کہ میں چھٹیاں منانے کہاں جا رہا ہوں۔

اگلے دن ایڈیسن صبح اٹھے۔ جلدی جلدی اپنا کام نپٹایا اور تیار ہو گئے۔ اس کے بعد وہ اپنی پسندیدہ اور سکون کی جگہ 'پرانی لائبریری' کی طرف چل پڑے۔ اب اپنے شوہر کی پسند کو لے کر ان کی بیوی سوچ میں پڑ گئی کہ بھلا یہ بھی چھٹیاں منانے کی کوئی جگہ ہے۔ مگر وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ایڈیسن کچھ معاملوں میں کسی کی نہیں سنتے۔ اس لیے انھوں نے چپ رہنا ہی بہتر سمجھا۔ اس چھٹی والی جگہ پر ایڈیسن بلب بنانے میں کامیاب ہوئے۔ جس کی تلاش وہ کئی سالوں سے کر رہے تھے۔ اپنی پرانی لائبریری سے نکل کر انھوں نے دنیا کو روشنی کا تحفہ دیا۔

دوستو! کامیابی زندگی میں صرف اسی کو ملتی ہے، جس نے جدوجہد کی۔ دوسرے کامیابی اسی کو ملتی ہے جسے کسی نے متاثر کیا ہو اور تھامس الوا ایڈیسن ایک ایسی ہی شخصیت ہیں جنھیں ان کی ماں نے ایک ذہنی معذور سے عظیم سائنسداں بنا دیا اور آج پوری دنیا ان کے تجربے سے کچھ نیا کرنا چاہتی ہے۔ تھامس ایڈیسن نے کبھی ہار نہیں مانی اگر ان کی جگہ کوئی اور عام آدمی ہوتا تو وہ جلد ہی ہار مان لیتا، لیکن تھامس ایڈیسن نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ آخر کار ایڈیسن کی محنت رنگ لائی اور انھوں نے بلب ایجاد کر کے پوری دنیا کو روشن کر دیا۔ یہ تھامس ایڈیسن کا عقیدہ ہی تھا جس نے امید کی کرن کو بجھنے نہیں دیا اور پوری دنیا کو بلب دے کر روشن کر دیا۔

یہ ہے ایڈیسن کی حقیقت جس سے ہمیں یہی نصیحت ملتی ہے کہ کسی بھی مقصد کی طرف بڑھایا گیا پہلا قدم ہی انسان کو کامیابی تک لے جاتا ہے۔ ناکامی سے نہ ڈرنے والے کو ہی کامیابی ملتی ہے۔

■

Mohd Tahir Siddiqui
N/139-B, Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

بچوں کے سعدی شیرازی

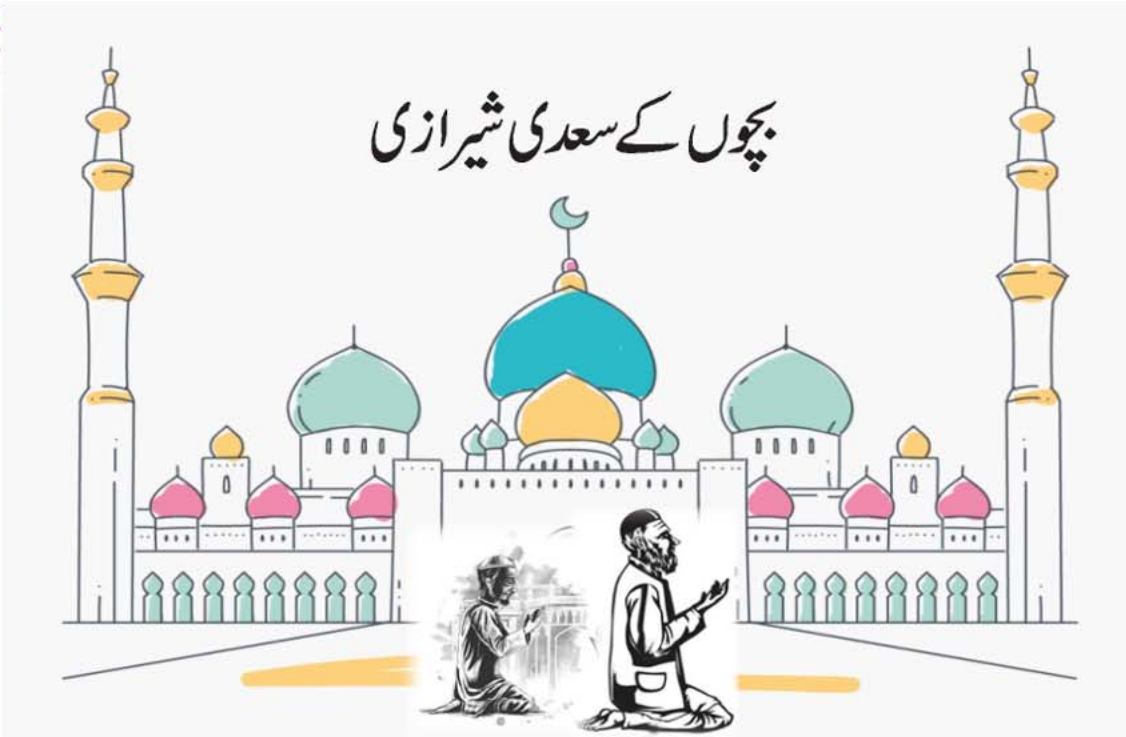

سعدی کا نام مشرف یا اشرف الدین، لقب مصلح الدین اور تخلص سعدی تھا۔ ان کی پیدائش 606 ہجری میں ایران کے ایک مشہور و معروف شہر شیراز میں ہوئی۔ انھوں نے ایک مذہبی خانوادے میں آنکھیں کھولیں تھیں۔ اس زمانے کے مطابق ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ان کو بچپن میں جو مذہبی اور اخلاقی تعلیم دی گئی تھی وہ ساری عمر ان کے ساتھ رہی۔ اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنے والد محترم کے ساتھ مسجد میں تھا کیونکہ والد ساری رات عبادت کرتے تھے۔ ان کے ساتھ میں بھی عبادت میں مشغول ہوگیا۔ ہمارے آس پاس لوگ گہری نیند میں سو رہے تھے۔ میں نے اپنے والد سے کہا: اے ابا یہ لوگ ایسے سو رہے ہیں جیسے مر گئے ہوں، کسی نے نماز نہیں پڑھی۔ کتنا اچھا ہوتا کہ اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھ لیتے ہیں۔ والد نے جواب دیا اے بیٹے تو نوافل نہ پڑھتا اور انھیں کی طرح سوتا رہتا تو زیادہ بہتر ہوتا یعنی کسی کی غیبت اور برائی کرنے سے اچھا یہ ہے کہ انسان خود اس طرح کی عبادت سے پرہیز کرے جو اس کے دل میں دوسروں کے لیے حقارت اور نفرت کے جذبات پیدا کرتی ہے اور غیبت جو کہ گناہ کبیرہ ہے، اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔

سعدی شیرازی بہت کم عمر ہی میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے تھے جس کا غم انھیں تمام عمر ستاتا رہا۔ والد کی نصیحتیں ہمیشہ ان کے لیے مشعل راہ کا کام کرتیں۔ اپنے والد کی طرف سے کی گئی تمام نصیحتوں کو انھوں نے اپنی عملی زندگی کا حصہ بنا لیا تھا اور انھیں کے مطابق وہ اپنی زندگی گزارتے تھے اور دوسروں کو بھی ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ عید کے موقع پر اپنے والد محترم کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد جا رہے تھے راستے میں لوگوں کی

بہت بھیڑ تھی۔ والد نے تنبیہ کی کہ دیکھو بیٹا میری انگلی ہرگز مت چھوڑنا۔ ورنہ اس بھیڑ میں گم ہو جاؤ گے لیکن کم سنی اور شرارت کے پیش نظر میں نے ہاتھ چھوڑ دیا اور کھیل کود میں مشغول ہوگیا تھوڑی دیر بعد جب والد کو اپنے قریب نہ دیکھا تو گھبرا کر رونے لگا۔ اتنے میں والد صاحب خود ہی مجھے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آگئے اور کہا بیٹے میں نے تمھیں پہلے ہی سمجھایا تھا کہ میری انگلی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا لیکن تم نے اس وقت دھیان نہیں دیا اور نتیجتاً تم کو پریشانی اٹھانی پڑی۔ جب سعدی شیرازی بڑے ہوگئے تو لوگوں کو بتاتے تھے کہ اگر تم لوگ دنیا کی بھیڑ میں گم نہیں ہونا چاہتے ہو تو کسی بزرگ انسان کی کہی ہوئی باتوں کو مضبوطی سے تھامے رہنا تاکہ راستہ نہ بھٹک جاؤ کیونکہ جو شخص اپنے بزرگوں کے دامن یعنی ان کی تعلیمات کو چھوڑ دیتا ہے اس کو ہمیشہ مشکلوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شیخ سعدی اس زمانے میں پیدا ہوئے تھے جب ان کے ہم وطن لوگوں کی زندگی اخلاقی بحران اور ذہنی انتشار کا شکار تھی، ان کے زمانے کے لوگ سنجیدہ علمی وادبی محافل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ لہٰذا عام انسانوں کی اصلاح کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کے تیس سال کے تجربات اور مشاہدات کو گلستان و بوستان کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے قتل و غارتگری، مکروفریب اور اخلاق و کردار کی گراوٹ کو جس طرح سے دیکھا اور محسوس کیا اس کو بڑی خوبصورتی اور سلیس انداز میں لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تاکہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ گزار سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی گفتگو ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کے لیے ایک مخلص رہنما دوست کے مشورے کی طرح ہے جو انسان کو غور وفکر پر مجبور کر دیتی ہے۔ سعدی شیرازی اپنی زندگی کے ایک واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ایک دفعہ میں سفر میں تھا اور میرے پیروں میں جوتے نہیں تھے اور جیب میں جوتا خریدنے کے پیسے بھی نہیں تھے۔ اسی عالم بے بسی میں چلا جا رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا نے میرا نصیب کتنا خراب بنایا ہے کہ مجھے ایک جوتا بھی میسر نہیں ہے۔ انھیں خیالات میں مستغرق کوفہ کی ایک مسجد میں جا پہنچا۔ وہاں ایک آدمی کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے۔ میں فوراً خدا کے حضور سجدہ ریز ہوگیا اور شکر ادا کیا کہ کیا ہوا جو میرے پاس جوتا نہیں خدا نے مجھ کو پیر تو دیے ہیں۔

گلستان اور بوستان کی بیشتر عبارات واشعار کو ضرب المثل کا درجہ حاصل ہے۔ فارسی کی منظوم و منثور کتابوں میں کسی بھی کتاب کو یہ عالی اور بلند مرتبہ حاصل نہیں ہوا جو سعدی کی ان اخلاقی کتابوں کے حصے میں آیا ہے۔ اب ذیل میں سعدی کے کچھ اقوال کو نقل کیا جا رہا ہے جن پر غور وفکر اور تفکر و تامل سے انسان اپنی زندگی کو سربلندی اور کامرانی کے ساتھ گزار سکتا ہے۔

- جو شخص نصیحت نہیں سنتا اس کا ارادہ ملامت سننے کا ہوتا ہے۔
- اگر تو چاہتا ہے کہ دنیا کی نعمت سے فائدہ اٹھائے تو مخلوق پر اسی طرح مہربانی کر جیسے خدا نے تجھ پر مہربانی کی ہے۔
- دو باتیں عقل کے بالکل خلاف ہیں قسمت کے رزق سے زیادہ کھانا اور مقررہ وقت سے پہلے مر جانا۔
- دو دشمنوں کے درمیان اس طرح کی بات کہو کہ اگر وہ کبھی دوست بن جائیں تو تم کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔
- بروں کے ساتھ نیکی اچھے لوگوں کے ساتھ ظلم کرنے جیسا ہے۔
- حد سے زیادہ غصہ کرنا لوگوں میں وحشت پیدا کرتا ہے اور

بے موقع مہربانی رعب ختم کر دیتی ہے، نہ تو اتنی سختی کر کہ لوگ بیزار ہو جائیں اور نہ اتنی نرمی کہ لوگ تجھ پر دلیر ہو جائیں۔

- حریص انسان ساری دنیا مل جانے کے بعد بھی بھوکا رہتا ہے اور قانع آدمی ایک روٹی سے بھی پیٹ بھر سکتا ہے۔
- دشمن جب تمام تدبیروں سے عاجز آ جاتا ہے تو دوستی کی زنجیر ہلاتا ہے اور پھر دوستی میں وہ کام کر جاتا ہے کہ کوئی دشمن بھی نہیں کر سکتا ہے۔
- جس نے علم پڑھا اور عمل نہ کیا وہ اس کی طرح ہے جو ہل چلاتا ہے اور بیج نہیں بکھیرتا ہے۔
- دو شخص مرنے کے بعد حسرت لے کر گئے۔ پہلا وہ جس کے پاس مال تھا اور نہیں کھایا اور دوسرا وہ جس نے جانا لیکن عمل نہیں کیا۔
- خبردار تو حاسد کے لیے کسی مصیبت کا خواستگار مت بن۔ اس لیے کہ وہ بدنصیب تو خود ہی مصیبت میں مبتلا ہے۔
- مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔
- جو راز تو چھپانا چاہتا ہے وہ کسی سے بھی مت کہہ خواہ وہ دوست ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس دوست کے بھی دوست ہوں گے اور اس طرح یہ سلسلہ چل نکلے گا۔
- زندگی کی درازی کا راز صبر میں پوشیدہ ہے۔
- بات کرنے والے کے جب تک کوئی عیب نہیں پکڑتا ہے تب تک اس کے کلام کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔
- جو شخص دوسروں کے غم سے بے غم ہے وہ انسان کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔
- دنیا حاصل کر لینا ہنرمندی نہیں ہے۔ اگر ہو سکے تو کسی کا دل جیت لو۔
- نصیحت خواہ دیوار پر ہی کیوں نہ لکھی ہو اس کو اپنے کانوں میں ڈال لو۔
- عقلمند انسان اس وقت تک نہیں بولتا جب تک خاموشی نہیں ہو جاتی۔
- دوست وہ ہے جو پریشانی اور مشکل وقت میں ہاتھ پکڑتا ہے۔
- رزق کی کمی اور زیادتی دونوں ہی برائی کی طرف لے جانے والی ہیں۔
- مایوسی کمزور ایمان کی دلیل ہے۔
- دو چیزیں عقل کے لیے عیب ہیں: خاموشی اختیار کر لینا بولنے کے وقت اور بولنا چپ رہنے کے وقت۔
- علم حاصل کرنے کے لیے خود کو شمع کی مانند پگھلاؤ۔
- اگر روزی کا انحصار عقلمندی پر ہوتا تو بے وقوفوں سے بڑھ کر کوئی مفلس نہیں ہوتا۔
- جو چیز جلد (بغیر محنت ومشقت) حاصل ہو جاتی ہے وہ دیر تک نہیں ٹھرتی۔
- جو کوئی اپنی کمائی سے روٹی کھاتا ہے، اس کو حاتم طائی کے احسان لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
- موتی کیچڑ میں گر کر بھی موتی ہی رہتا ہے جبکہ خاک آسمان پر چڑھ کر بھی خاک یعنی بے قیمت رہتی ہے۔
- شاہی خلعت اگرچہ قیمتی ہے لیکن اپنا پرانا کپڑا اس سے زیادہ باعزت ہے اور بڑوں کا دستر خوان اگرچہ لذیذ ہے مگر اپنی جھولی کے ٹکڑے اس سے زیادہ مزیدار ہیں۔

■

Dr. Neelofar Hafeez
Assistant Professor
Department of Arabic & Persian
University of Allahabad
Allahabad - 211002 (UP)

محمد اسد اللہ

اسکول بس

حاضر مری کلاس اب اسکول بس میں ہے
باغیچہ ہے کہ بس ہے، ہر اک پھول بس میں ہے

یوں تو ہے ہر کلاس میں استاد کی حکومت
کنڈکٹروں کا بھی تو وہی رُول بس میں ہے

ویلکم لکھا ہوا ہے کھلی کھڑکیوں کے اوپر
قلفی کی طرح شخص ہر اک گُول بس میں ہے

سوئمنگ کا انتظام بھی ہے بس میں اب ہمارے
بارش ہوئی تو لگتا ہے اک پول بس میں ہے

بیٹھے ہوئے چنوں کی طرح بھن رہے ہیں ہم سب
گرمی میں جیسے جلتا توا، دھول بس میں ہے

■

Mohd Asadullah
30, Gulsitan Colony
Jafar Nagar
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

تنویر اختر رومانی

لب پہ تبسم رکھنا سیکھو

غم کو دور بھگانا سیکھو
لب پہ تبسم رکھنا سیکھو
خودداری نہ بیچو اپنی
غربت میں بھی جینا سیکھو
عزمِ جواں ہے اعلیٰ جوہر
یہ جوہر دکھلانا سیکھو
کوئی غلطی ہو جائے تو
اس پر نادم ہونا سیکھو
اوروں کے بَل پر جینا کیا
اپنے بل پر جینا سیکھو
بن جاؤ پھلدار شجر تم
سب کو پھل ہی دینا سیکھو
تم مہمان نوازی میں
حاتم طائی ہونا سیکھو
جب کوئی آواز تمھیں دے
'حاضر ہوں میں' کہنا سیکھو
قرآں گیتا گرنتھ انجیل
تکریم ان کی کرنا سیکھو

■

Tanweer Akhtar Rumani
59, Chuna Shah Colony
P.O.: Maango
Jamshedpur-831012 (Jharkhand)

نظم

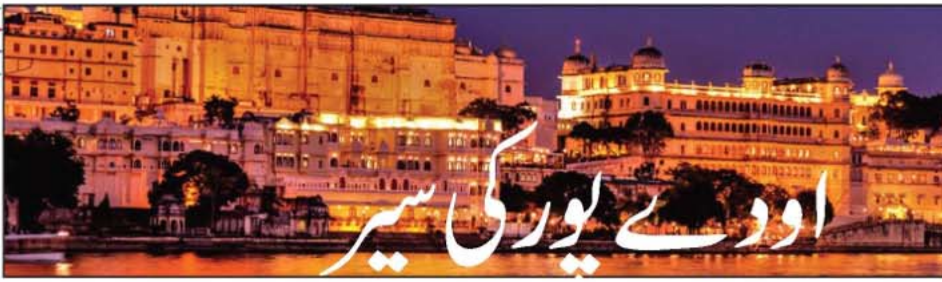

اودے پور کی سیر

جھیلوں کی نگری

یہ نگری جھیلوں کی نگری   فتح ساگر پر موتی مگری
اودے پور ہے جس کا نام   بھارت میں ہے اعلیٰ مقام
اس کی جھیل پچھولا ہے   جیسے دودھ کو گھولا ہے
پاس ہی دودھ تلائی ہے   سب کے من کو بھائی ہے

کہساروں کے بیچوں بیچ   چلے 'روپ وے' بیچوں بیچ
اس کو جھولا کہتے ہیں   بیٹھ کے اس میں اُڑتے ہیں
بچّوں کا ہے ہیلی کاپٹر   ہنستے سب ہیں اوپر اُڑ کر
مزہ ہواؤں کا لیتے ہیں   سیر فضاؤں کی کرتے ہیں

'روپ وے' کا عجب نظارہ   بچوں کو بھاتاہے سارا
نیچے نظریں ان کی جائیں   میلوں تک ہریالی پائیں
جھیلوں سے پیڑوں کا سنگم   دیتا خوشیاں دور کرے غم
جدھر بھی دیکھو باغ لگا ہے   سب کو یہ دلشاد لگا ہے

فتح ساگر، مندر اور درگاہ

فتح ساگر کی پال نرالی   ہر سو پھیلی ہے خوش حالی
بارش کا موسم جب آئے   پانی لبالب بھرجائے
چلتی چادر کا یہ منظر   ٹھنڈی پھُنواروں کا شور وشر
منظر کیسا دھنواں دھنواں ہے   ہراک دل بس جواں جواں ہے

دامن ساگر فتح کا دیکھو   لہریں ہیں رقاصہ دیکھو
جال لگے ہیں اس کے اوپر   تاکہ پرندے نہ آئیں اس پر
امرودوں کا باغ یہاں ہے   باغ بھی یہ مشہور جہاں ہے

اس کا تصور جب بھی آئے   منہ میں پانی آ آجائے
اتنے میں آواز یہ آئے   سب کے من کو جووہ بھائے
لے لو ،لے لو امرودوں کو   کھالو، کھالو امرودوں کو
خوب ہیں میٹھے اورہیں تازہ   قدرت کا گویا ہے تحفہ
بیس روپے کے ایک کلوہیں   تازہ میٹھے ایک کلو ہیں

ساگر کی گر سیر کرو تم   پیڑوں سے مت چھیڑکرو تم
پیڑ ہمارے سب ساتھی ہیں   تازہ ہوا کے یہ باسی ہیں
پیڑوں میں کچھ فرق نہ کرنا   ان کو اپنے جیسا رکھنا
ہرجا دیکھو پیڑ لگے ہیں   اچھّے اچھے پیڑ لگے ہیں

دائیں بائیں دھوم مچی ہے   مٹکوں میں قلفی جو جمی ہے
اوپر نیمچ ماتا مندر   دل کو کتنا بھاتا مندر
جوبھی آتا ہے مندرمیں   ناریل لاتا ہے مندرمیں
ہر دن درشن کو جاتے ہیں   من کی کامنا وہ پاتے ہیں

فتح ساگر سے جاتی راہ   روحانی مستانی راہ
وادیٔ مستان اُدھر ہے   درگاہِ مستان اُدھر ہے
آمدِ خاص وعام یہاں ہے   بنتا ان کا کام یہاں ہے
لوگ یہاں آتے جاتے ہیں   پھول عقیدت کے لاتے ہیں

■

Dr. Azizullah Shirani
Farhat Manzil, Kali Paltan
Tonk - 304001 (Rajasthan)
Mob.: 9214984819, 8078602224

ضمیر انور

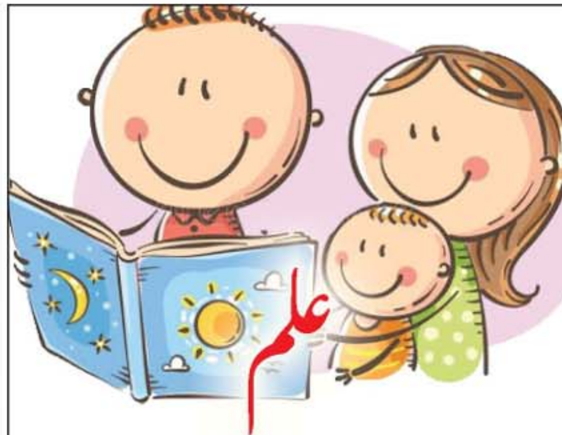

علم

پیارے بچو یاد رکھو یہ نصیحت علم سے
ہو نہیں سکتی ہے بڑھ کر کوئی دولت علم سے
یہ سمجھ سکتے نہیں تم کیوں کہ چھوٹے ہو ابھی
کتنی ہو جاتی ہے انسانوں کی قیمت علم سے
تم تعجب اور حیرت میں پڑے رہ جاؤ گے
رنگ لائے گی تمھاری جب یہ محنت علم سے
آسماں کی سربلندی پر اگر ممکن ہوا
تم بناؤ گے مکاں اِک خوبصورت علم سے
مر کے بھی زندہ ہیں جو زندہ رہیں گے تا ابد
ان کو حاصل ہوگئی ہے یہ سعادت علم سے
کچھ ملے یا نہ ملے تم کو صلہ اس کا مگر
ہے یہی کافی کہ تم کو بھی ہے نسبت علم سے
خوب ہے نفلی عبادت سے تمھارے واسطے
سیکھ لینا ہی تمھارا ایک آیت علم سے
نونہالو! مال و زر ہے چار دن کی چاندنی
تم خدا سے مانگ لو سچی محبت علم سے

■

Zameer Anwar
Mohalla: Usmanpur Jalal Pur
Distt: Ambedkar Nagar (UP)

کوثر بھگوت پوری

شاما خوش الحان پرند

بچو تم نے دیکھا ہوگا شاما خوش الحان پرند
اپنی دلکش آوازوں میں ایک الگ پہچان پرند

یوں تو اِندر دھنوشی پر کے کارن ہیں مشہور مَیور
لیکن لحن کی شرط لگے تو شرما جائیں سارے طیور

اندر سے چالاک بہت ہے باہر سے لاپروا ہے
چوکس اور محتاط ہی رہنا اس کا واحد حربہ ہے

کوئل کی کوکو کوکو تو بچے سب دہراتے ہیں
اور اس کو غصہ آئے تو لطف انوکھا پاتے ہیں

پر شاما کی بولی کو دہرانا بے حد مشکل ہے
کوئل کی کُو کُو کی طرح کاغذ پر لانا مشکل ہے

کتنے ترنگوں کی آمیزش گھلی ہے اس کی بولی میں
بات ضرور چلتی ہی ہوگی چڑیوں کی بھی ٹولی میں

قدرت کی اک خاص انوکھی اس کے منھ سے اذان سنو
یا پھر آپ اپنے میں نوادر اک مُرلی کی تان سنو

دیگر پنچھی کے جیسے ہی پیڑ ہی اس کا مسکن ہے
اور گھروں کے پاس ٹہلنا بھی اس کا اپنا فن ہے

■

Kausar Bhagwatpuri
Studio Photo Line, Bhagwatpur
Via: Sarai Ranjan
Distt.: Samastipur - 848127 (Bihar)

خورشید جمال قاسم

ماں کی اوڑھنی

نظم

ماں کی اوڑھنی لال لال
اس کے ہیں بہت سارے کمال
جب میری آنکھوں سے آنسو بہتے
ماں جھٹ پوچھتی آنسو رال
ماں کی اوڑھنی لال لال
اس کے ہیں بہت سارے کمال
ان کی قیمت کا اندازہ سمجھو بچو
نہیں دے سکتا کوئی موتی لعل
میرے لیے ہیں یہ انوکھے کھلونے
جیسے ہوں یہ مٹھائی کے دونے
ماں کی اوڑھنی لال لال
اس کے ہیں بہت سارے کمال
جب میں سونے میں ڈر جاتا
ماں کی آنچل میں میں چھپ جاتا
بھوک ہمیں جب زیادہ ستاتی
ماں کی آنچل ہمیں یاد آتی
ماں کی اوڑھنی لال لال
اس کے ہیں بہت سارے کمال
ماں کی دعائیں کچھ ایسی ہوتیں
بیٹا! میرا بلند ہو وہ کہتیں
ہم سب کا ہے یہ فرض نونہال
ہم ان کو سمجھیں خورشید جمال
ماں کی اوڑھنی لال لال
اس کے ہیں بہت سارے کمال

■

Dr. K.J. Quasim
Israil Katra Bagicha
Jahanaganj
Azamgarh- 276131 (UP)
Mob.: 9628622895

ایم یوسف انصاری

بارش کا پہلا قطرہ

بنی بھاپ بادل سمندر سے اٹھ کر
اڑا کر ہوا لے گئی آسماں پر

لگا آسماں پر گھٹاؤں کا میلہ
برسنے لگا ٹھنڈے پانی کا ریلا

جدا ہو کے بارش کا پہلا وہ قطرہ
کہیں کھو نہ جاؤں ہوا اس کو خطرہ

اچانک ہوا کا تھپیڑا جو آیا
سمندر کی جانب اسے کھینچ لایا

چلا تھا جہاں سے وہ پہنچا وہیں پر
بحکمِ خدایا گرا نہ زمیں پر

یہاں سے وہاں تک سمندر کی وسعت
نظر اس کو آئی خدا کی حقیقت

خجل ہو کے بولا میری کیا حقیقت
ملی مجھ کو ذلت سمندر کو عزت

جہاں میں عزیزو! بہت سے ہیں ایسے
حقیقت کو ایسی جو ہرگز نہ سمجھے

ندامت خدا کو بہت ہی جو بھائی
نوازش سے اپنی یہ قسمت بنائی

سلایا اسے گور میں اک صدف کی
وہ موتی بنا کوکھ میں اس صدف کی

وہ پستی کا ذرہ گہر بن کے چمکا
ملی اس کو عزت مقدر یہی تھا

رہا بن کے عاجز عمل میں ادا میں
ہوا سرخ رو بارگاہِ خدا میں

■

M. Yusuf Ansari
368, New Eard
Malegaon - 423203
Nasik, (MS)

ستیہ گپتا، مترجم: شمیم نکہت

بچے کی صحت

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک   تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے:

گلوں کی جو خواہش ہے تو کلیوں کی خبر لے
ایسا نہ ہو آجائے خزاں دَور سے پہلے

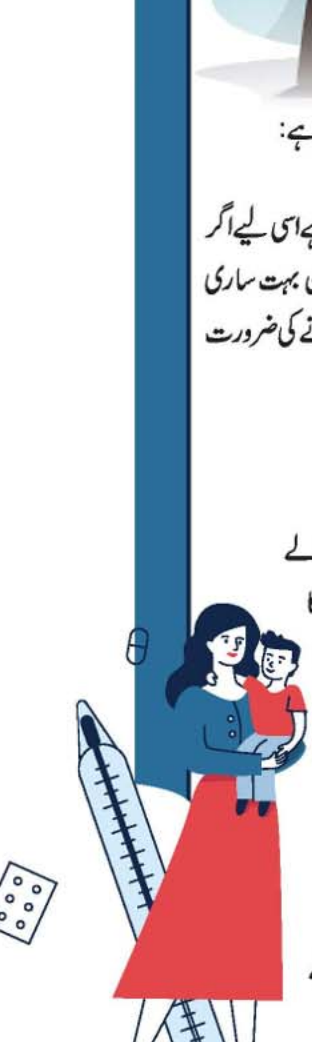

ڈاکٹر محمد عثمان خان ایم بی نے اپنی کتاب 'بچے کی صحت اور نگہداشت' میں بچے کی صحت کی اہمیت کے حوالے سے بڑی اہم بات لکھی ہے کہ ''قومی حفظانِ صحت کی کوششوں میں سب سے بڑا قدم بچے کی صحت کا تحفظ اور اس کی بااصول نگہداشت اور صحیح غور و پرداخت ہے... بچہ ایک قومی سرمایہ ہے جس کا تحفظ و استحکام قومی تعمیر کے لیے نہایت ضروری ہے... درسیاتِ اطفال میں اصولِ صحت اور جسمانی تعلیم کی ضرورت مقدم ہے جس کے ساتھ بچوں کے لیے صحت بخش غذا، معتدل ورزش و محنت، اچھی آب و ہوا، مناسب آرام و آسائش، پاک وصاف ملبوسات، صحت مند آدابِ معاشرت اور صحبت نیک وغیرہ ضروری لوازم کا التزام بھی ضروری ہے۔ دراصل بچے کی جسمانی اور دماغی صحت کا دار و مدار زیادہ تر اس کی صحیح نگہداشت و اصول تربیت پر ہے۔''

بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔ (ادارہ)

بخار:

اس کا انحصار کئی باتوں پر ہے۔ اگر بچے کو بخار کے ساتھ سردی کا بھی اثر ہے تو یقیناً اس کو کمبل اُڑھا دینا اور ایئر کنڈیشنر اور کولر وغیرہ بند کر دینا چاہیے لیکن اگر اس کو بخار کے ساتھ لرزہ یا کپکپی نہ ہو تو کولر اور ایئر کنڈیشنر چالو رکھنا چاہیے کیونکہ ایسے بخار میں اسے ٹھنڈی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ تیز بخار بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور بعض اوقات بخار کی تیزی سے بچے کو دورہ بھی پڑ جاتا ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ بخار کو کم کرنے کے لیے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں استعمال کی جائیں اور بچہ کو بخار کم کرنے والی دوائیں مثلاً اسپرین وغیرہ دینا چاہیے۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیوں کے متعلق میں دو ایک باتیں اور کہنا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں صرف برف کے پانی سے ہی نہیں کرنا چاہیے اس کے لیے نل کا سادہ پانی بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ پٹیاں بچے کے سارے بدن پر رکھنا چاہیے۔ صرف ماتھے پر ٹھنڈی پٹی رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس سے بچے کا بخار کم ہوتا ہے۔ سر پر بھیگا ہوا کپڑا رکھنے سے صرف بچے کے بال بھیگ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا مطلق اور کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ایک چادر لے کر اسے پانی میں بھگو کر بچے کے بدن پر لپیٹیں اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چادر بدلتی رہیں۔ اس کے لیے برف کی پانی کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ برف کا پانی مناسب ہے۔

بخار میں بچے کو کیا کھلانا چاہیے: یہ معاملہ بھی ایسا ہے کہ آپ کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ جب بچے کو بخار ہوتا ہے تو اس کے بدن کی زیادہ قوت خرچ ہوتی ہے اس لیے اس کے بدن کو برابر نئی قوت ملتی رہنا چاہیے۔ ورنہ بچہ کمزور ہو جائے گا اور بخار اترنے کے بعد تھکاوٹ، اضمحلال اور کمزوری محسوس کرے گا۔ اس لیے میرے خیال میں تو اسے پوری غذا دینا چاہیے اور ہر وہ چیز دینا چاہیے جو وہ کھانا چاہتا ہے۔ بھلے ہی اس کا بخار طویل المدت بھی ہو لیکن اگر بخار دو ایک دن کا ہی ہو اور بچہ کھانا نہ چاہے تو اسے زبردستی کھلانا نہیں چاہیے لیکن اس کو بہلا پھسلا کر ضرورت بھر رقیق چیزیں ضرور کھلا دینا چاہیے تا کہ بدن میں رطوبت کا توازن قائم رہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو نقصان کا اندیشہ ہے۔

دورہ پڑنے والے بچے کو تیز بخار آجائے تو کیا کرنا چاہیے؟

اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ بچے کو دورے کس سبب سے پڑتے

ہیں تو پھر اس کو بخار آ جانے کی صورت میں آپ کو صرف یہ کام رہ جاتا ہے کہ آپ اسے اسپرین کی ایک ٹکیہ یا کوئی اور بخار کم کرنے والی دوا کھلا دیں اور ساتھ میں کوئی مُسکن دوا (Sedative) جیسے فینوبارلی ٹون (Phenobarli Tone) بھی دے دیں۔ میرا مشورہ یہ ہے آپ یہ دوائیں دے کر فوراً ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔ اگر آپ بخار آنے کے چار گھنٹہ کے اندر بچے کو کوئی مسکن دوا (Sedative) دیں گی تو پھر دوبارہ کوئی مسکن دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بعد میں صرف بخار کم کرنے والی دوائیں دیتی رہیے اور ٹھنڈی پٹیاں رکھتی رہیے تا کہ بخار کسی صورت میں بھی 102 درجہ سے نہ بڑھ سکے۔

زکام کھانسی:

بچے کو سال میں چھ بار زکام کھانسی ہو جانا معمولی بات ہے۔ اگر اس سے زیادہ بار بچہ ان میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے ڈاکٹر کو دکھایئے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا اصلی سبب کیا ہے اور بچے کو بار بار زکام کھانسی کیوں ہوتا ہے۔ نزلہ زکام ایک قسم کی ایلرجی، یا گلے کی گلٹیوں (Tonsils) کی خرابی سے یا سینہ کے کسی عارضے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ زکام کھانسی بار بار ہونا خطرناک بات ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ بچے کو فوراً ڈاکٹر کو دکھایا جائے تا کہ بیماری کا اصل سبب معلوم ہو جائے اور اس کا مناسب علاج ہو۔ اگر ضرور ہو تو پنی سیلین (Penicilln) کے ذریعے طویل مدتی علاج کیا جائے۔

■

مآخذ: بچے کی صحت، **مصنف:** ستیہ گپتا، **مترجم:** شمیم نکہت، **سنہ اشاعت:** چوتھی طباعت: 2010، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جوابات

(15) علامتی دوست

(1) ٔ (2) َ (3) ِ (4) ُ

(5) ٓ (6) ّ

■

مآخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، **سنہ اشاعت:** تیسری طباعت 2009، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

عہد

اسد رضا

وحید الدین نے اپنی بیوہ ماں کو جب یہ خوش خبری سنائی کہ وہ فوج میں بطور افسر بھرتی ہوگیا ہے تو انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ڈھیر ساری دعائیں دیں اور بولیں ''وحید! آج سے ٹھیک دس سال پہلے یعنی 14 اگست کو تمھارے ابا لانس نائک حمیدالدین کو سرحد پر ان کی شہادت کے بعد سپرد خاک کیا گیا تھا۔ انھوں نے ہندوستانی سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے بہادری کے ساتھ اپنی جان قربان کی تھی اور اگلے روز یعنی 15 اگست کو میں نے ان کی قبر پر تمھارے ساتھ جا کر فاتحہ پڑھنے کے بعد یہ عہد بھی کیا تھا کہ میں ان کے بیٹے کو بھی فوج میں بھرتی کراؤں گی۔''

''ہاں اماں! میں نے بھی آپ کے ساتھ ابا مرحوم کی قبر پر جا کر یہ عہد کیا تھا کہ بالغ ہونے کے بعد میں بھی فوج میں بھرتی ہو کر مادرِ ہند کی سرحد پر تعینات ہوں گا اور اپنے وطن کی آزادی کی حفاظت کروں گا۔''

وحید کی یہ بات سن کر ماں کی آنکھیں نم ہوگئیں اور اپنے آنچل سے آنسو پونچھنے کے بعد وہ اپنے شوہر کی تصویر کے پاس اپنے اکلوتے بیٹے کو لے کر گئیں۔ تصویر پر وہ میڈل بھی لٹکا ہوا تھا جو شہادت کے بعد راشٹرپتی نے مرحوم حمیدالدین کو ان کی بہادری اور قربانی کے لیے دیا تھا۔ اپنے بیٹے وحید کے ساتھ میڈل 'ویر چکر' لینے کے لیے مسز حمید دہلی گئی تھیں جہاں حکومتِ ہند نے ان کی پینشن کے علاوہ وحید اور اس کی چھوٹی بہن سلمٰی کی تعلیم اور پرورش کا تمام خرچ اٹھانے کا اعلان بھی کیا تھا۔ عزیز و اقارب کے ساتھ ساتھ گرام پردھان اور گاؤں کے تمام باشندے شہید حمیدالدین کے خاندان کا پورا خیال رکھتے۔

وحیدالدین اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی ماں اور چھوٹی بہن کا بھی اچھی طرح دھیان رکھتے تھے۔ اگرچہ انھوں نے بارہویں سائنس کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں پاس کی تھی لیکن انجینئرنگ میں شہر جا کر داخلہ لینے کے وسائل ان کے پاس کم تھے۔ اماں نے معاشی اور سماجی دقتیں برداشت کرنے کے باوجود ایک انجینئرنگ کالج میں وحید کا داخلہ کرادیا تھا۔ چونکہ وحید کو اپنی ذمہ داری کا احساس بہت تھا لہٰذا وہ شہر میں چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنے کالج کی فیس بھرتے۔ ایک شہید

فوجی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے کالج والوں نے وحید کی ماں سے ڈونیشن لیے بغیر ہی ان کے بیٹے کو انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبے میں داخل کرلیا تھا۔لیکن وحید اپنی چھوٹی بہن سلمیٰ کو جس کی ڈاکٹر بننے کی تمنا تھی، بھی ڈاکٹری پڑھانے کا ارادہ رکھتے تھے۔لہٰذا انہوں نے سلمیٰ کا داخلہ شہر کے ایک ایسے کوچنگ سینٹر میں کرادیا تھا جہاں بارہویں کلاس کی تیاری کے ساتھ میڈیکل کے مقابلہ جاتی امتحان کے لیے بھی تیاری کرائی جاتی تھی۔

''سلمیٰ ہوسٹل کا خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے۔اس لیے میں نے دو کمروں کا ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا ہے۔کل میں اماں کو بھی گاؤں سے شہر لے آؤں گا۔لیکن بہن میڈیکل کا کمپیٹیشن بہت سخت ہوتا ہے لاکھوں امیدوار مقابلہ کے امتحان میں بیٹھتے ہیں مگر چند ہزار ہی کا سلیکشن ہوتا ہے۔اس لیے تمھیں دن رات یکسوئی سے امتحان کی تیاری کرنا ہوگی۔''

''بھائی جان! آپ بالکل مطمئن رہیے۔میں جی توڑ کر محنت کروں گی اور انشاء اللہ میڈیکل کالج میں داخلہ لے کر ہی دم لوں گی۔میں نے ٹی وی سیریل دیکھنا اور سہیلیوں سے گپّیں لڑا کر اپنا وقت برباد کرنا چھوڑ دیا ہے۔اب اماں کے آنے کے بعد تو بہتر طور پر تیاری کا موقع ملے گا۔''

''مجھے تم سے یہی امید ہے کہ تم ابا مرحوم کا نام روشن کرو گی اور ایک دن کامیاب ڈاکٹر بنوگی۔ان شاء اللہ

''بھائی جان! کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔''

''گڈ!'' یہ کہہ کر وحید اپنے ہوسٹل چلے گئے اور اسٹڈی میں مشغول ہوگئے اور اگلے روز گاؤں جا کر اپنی اماں کو بھی شہر لے آئے۔اماں کے آنے کے بعد دونوں بہن بھائی کو اسٹڈی کرنے کے اچھے مواقع ملے۔لہٰذا وحید نے اپنی کلاس میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔جب وہ انجینئر کے آخری سال میں تھے تو ان کے کالج میں کچھ اعلیٰ فوجی افسران انتہائی قابل انجینئروں کی تلاش اور فوج کے ٹیکنیکل شعبے کے لیے ان کا انتخاب کرنے کے لیے آئے اور آخری سال کے انجینئرنگ طلبا کا تحریری ٹسٹ لینے کے بعد صرف پانچ طلبا کو انٹرویو کے لیے منتخب کیا۔ان طلبا میں وحید الدین بھی تھے۔انٹرویو کے بعد صرف دو طلبا کو دہرہ دون کی ملٹری اکادمی میں فائنل سلیکشن کے لیے مدعو کیا گیا۔دو طلبا میں سے ایک وحید تھے اور دوسرا ان کا ساتھی ویر سنگھ راوت۔وحید اور ان کے دوست نے دہرہ دون کا صرف نام سنا تھا۔کبھی اتراکھنڈ کی اس راجدھانی کے درشن نہیں کیے تھے۔دونوں نے فائنل انٹرویو کے لیے جم کر تیاری کی۔وحید کی اماں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کا بیٹا فوج کے لیے منتخب ہوجائے۔

وحید الدین کے والد چونکہ ملک کی سرحد پر دشمن کی گولی سے شہید ہوئے تھے لہٰذا فائنل انٹرویو میں وحید کی اہلیت اور قابلیت کے ساتھ ساتھ ان کے شہید والد کی خدمات کا بھی لحاظ رکھا گیا اور وحید فوج کے انجینئرنگ شعبے کے لیے بطور کمیشنڈ افسر منتخب ہوگئے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ انجینئرنگ کا فائنل امتحان پاس کرلیں گے۔ایک ماہ بعد انجینئرنگ کے آخری سال کا نتیجہ آیا تو وحید نے اپنے کالج میں پہلا مقام حاصل کیا۔لہٰذا اعلیٰ فوجی افسران نے انھیں مزید ٹریننگ کے لیے حیدرآباد کینٹ میں بھیج دیا جہاں ان کی انجینئرنگ میں ایڈوانس تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ فوجی ٹریننگ بھی دی گئی۔وحید الدین آج یعنی 14 اگست کو فوجی وردی پہن کر حیدرآباد سے گھر آئے تو سلمیٰ اور اماں دونوں نے ہاتھ اٹھا کر ان کی بلائیں لیں اور دعائیں دیں۔

''بھائی جان! آج آپ نے اماں کا اور خود اپنا عہد پورا کردیا۔اب آپ انشاء اللہ ترقی کرکے کرنل کے عہدے تک پہنچیں گے۔'' سلمیٰ نے کہا تو اماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ

کر کہا۔ ''اب اللہ نے چاہا تو اگلے سال تمھاری بہن بھی ایم بی بی ایس کر کے ڈاکٹر بن جائے گی۔''

''اماں! ایم بی بی ایس کر کے بھی ڈاکٹر اس وقت تک ادھورا رہتا ہے جب تک وہ ایم ایس یا ایم ڈی نہ کر لے۔ بھائی جان! میں ایم ڈی کرنا چاہتی ہوں۔''

''بالکل کرنا لیکن ایم ڈی میں بھی داخلہ بڑی مشکل اور محنت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ سیٹیں اور امیدوار زیادہ ہوتے ہیں۔'' وحیدالدین نے سلمیٰ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر کہا تو سلمیٰ نے مسکرا کر کہا ''بھائی جان میں آپ کی بہن ہوں اور ایک فوجی کی بیٹی۔ لہٰذا خوب محنت کروں گی اور ایم ڈی کر کے دکھاؤں گی۔''

''آمین ثم آمین! سلمیٰ بیٹی! مجھے تم سے یہی امید ہے کہ تم اپنے ابّا کا نام روشن کرو گی۔'' اماں نے اپنی بیٹی کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو وحید نے فوراً سوال کیا ''لیکن سلمیٰ! ایم ڈی کرنے کے بعد تم سرکاری نوکری کرو گی یا اپنی پریکٹس؟''

''بھائی جان! جس دن آپ فوج میں بھرتی ہوئے تھے اسی دن میں نے بھی یہ عہد کیا تھا کہ ایم ڈی کرنے کے بعد میں ملٹری میں بھرتی ہو کر اپنے ہندوستانی فوجی بھائیوں اور بہنوں کی خدمت کروں گی۔''

''شاباش بیٹی! اللہ تمھارے عہد کو پورا کرے۔ جس دن تم ڈاکٹر بن کر فوج میں بھرتی ہو گی اس دن تمھارے مرحوم ابّا کی روح یقیناً بہت خوش ہو گی۔'' اور یہ کہتے ہوئے ایک بار پھر اماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔''

■

Dr. Asad Raza
21/37 3ec Road
Dehradun - 248001 (Uttarakhand)

جوابات

نذیر احمد یوسفی

ایک جوڑا جوتا

مرزا جاہ علی کا دومنزلہ رہائشی مکان ادھر اُدھر سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اور گذشتہ کئی سالوں سے اس کی رنگائی بھی نہیں ہوئی تھی، ہر سال مرزا جی کی بیگم اس اہم کام کی طرف توجہ دلاتیں مگر وہ ٹال جاتے، اصل میں ان کے مکان کے اردگرد کے سارے مکانات اپنی اونچائی کے اعتبار سے آسمان چھونے لگتے تھے۔

اس لیے مرزا جی بھی اس ارادے میں تھے کہ کم سے کم ایک منزل کا اضافہ کیا جائے مگر بیگم راضی نہیں ہوتی تھیں، ان کا کہنا تھا کہ گھر میں ہم دونوں کے علاوہ ہے کون جو کمروں کو آباد کرے گا، دونوں لڑکے بیرون ملک ہیں، ہم دونوں کے لیے یہ کمرے بہت ہیں۔

ظہور میاں اچھے کاریگر تھے، مکان بناتے تھے، مرزا جاہ علی کے مکان کا تیسرا تلّہ انھیں کے ہاتھوں تعمیر ہو رہا تھا، سارا کچھ ہو گیا تھا، بس باہری حصے کی رنگائی باقی تھی کہ ان پر فالج کا حملہ ہوا اور رات کے تیسرے پہر، اس سے پہلے کے دوادارو کی نوبت آتی، وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

فاتحہ خوانی کے دن بہت سارے رشتہ دار آئے اور زبانی ہمدردیاں بکھیر کر اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئے۔ چالیسویں کے آتے آتے، بیگم اور ان کے اکلوتے لڑکے کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔

مجبوراً دو چار رشتہ داروں کی موجودگی میں مرزا جاہ علی نے اعلان کیا کہ ظہور میاں میرے بڑے بھائی کی طرح تھے، غریبی اور امیری کے فرق کے باوجود، انھوں نے کبھی مجھے غیر نہیں سمجھا، اور نہ ہی میں نے،— آج اس بھری محفل میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ ظہور بھائی کی بیگم، اور ان کے صاحبزادے ہمارے گھر کے فرد کی طرح، اب ہمارے گھر رہیں گے، کرایہ کا مکان خالی کر دیں گے، ان کی ہر ضرورت ہم پوری کریں گے، وہ پہلے بھی ظہور بھائی کے ساتھ آتی جاتی رہی ہیں، اب وہ ہمارے کنبے میں شامل ہو جائیں بلکہ ابھی سے ہی وہ آ جائیں۔

مرزا جاہ علی کے اکلوتے ماموں دو چار دنوں کے لیے شہر آئے تو انھیں اس حادثے کی خبر ملی، اور یہ بھی کہ فی الحال ظہور میاں کی بیگم ان کے ساتھ ہی رہتی ہیں، اور آٹھویں درجے میں پڑھنے والا لڑکا دکان سنبھالتا ہے، ماموں کو اتنی اپنائیت اچھی نہیں لگی، انھوں نے کہا کہ غریبی اور امیری کا فرق اللہ نے قائم کیا ہے، بندے کے بس کی بات نہیں کہ اس فرق کو مٹا دے، ایک غربت کی گود میں پلنے والے لڑکے کو کاروبار کا بوجھ دینا اور کیش کا مالک بنانا، مفید نہیں، جاہ علی کو نقصان اٹھانا پڑے گا—

انھوں نے ایک دوپہر کو اس معصوم بچے کا امتحان لینے کی ٹھانی اور اپنی خمیدہ کمر اور موٹی سی لاٹھی کی مدد سے چلتے چلتے، بازار کے اس گوشے تک آ گئے جہاں مرزا جی کی عالی شان دکان 'بیلا شو سینٹر' تھی، دکان میں گاہک نہیں تھے، کاؤنٹر پر دکان دار بیٹھا، باہر کی طرف ٹکٹکی لگائے نہ جانے کیا دیکھنے میں محو تھا۔

ماموں دکان کے سامنے لاٹھی کی ٹیک لے کر کھڑے ہوئے تو گدی پر بیٹھے لڑکے کی توجہ اس طرف ہوئی۔

ماموں نے با آواز بلند ہانک لگائی۔

''ارے میاں تم ظہور میاں مرحوم کے صاحبزادے ہو نا؟''

''جی—!''

کوئی اچھی کمپنی کا ایک جوڑا جوتا، چوری چھپے مجھے دو نا، بہت ساری دعائیں دوں گا—''

''ارے آپ مجھے چوری کرنے کو کہہ رہے ہیں—؟''

''ارے بیٹا! اس میں چوری کی کیا بات ہے، تم ڈرو نہیں، تمھارے مالک کو خبر نہیں ہوگی، میں تو تمھارے ابو مرحوم کا پرانا دوست ہوں، گاؤں میں رہتا ہوں—''

ابو کا ذکر آیا تو معصوم کی آنکھیں بھیگ گئیں اور سامنے کھڑے بوڑھے کی خواہش پر وہ تھوڑی دیر سوچتا رہا، جاہ علی چاچا کی اجازت کے بغیر کسی کو اُدھار یا مفت، جوتے دینے کا حق اسے حاصل نہیں تھا، اچانک اسے ایک نیا خیال آیا اور اس نے مضبوط جوتے کا ایک ڈبہ، بوڑھے کو دیتے ہوئے کہا۔

''لیجیے! آپ ابا مرحوم کے دوست ہیں، آپ کو دیکھا تو ان کی یاد آ گئی، ان کے حق میں دعائیں کریں، آپ سے میری گذارش یہی ہے—

ماموں مفت میں جوتے پا کر بہت خوش ہوئے اور لڑکے کو بے ایمان ثابت کرنے کا ایک پکا ثبوت لے کر، تیز تیز قدموں سے چل کر، جاہ علی کے کمرے میں چیختے چلاتے داخل ہوئے— ''دیکھو، میں نہیں کہتا کہ پرائے لڑائے پر اتنا بھی بھروسہ ٹھیک نہیں، تمھاری اجازت کے بغیر اس نے ایک جوڑا جوتا مجھے مفت میں دے دیا۔''

مرزا جاہ علی مسکرائے پھر بولے۔

''—اس نے آپ کو نہیں دیئے، اپنے مرحوم ابو کے دوست کو دیئے ہیں— یہ چوری نہیں ہوئی، اس نے فون کر کے معافی مانگی ہے کہ بغیر اجازت ایک جوتے کی جوڑی اس نے ابا مرحوم کے دوست کو دی ہے، وہ پرانے جوتے پہن کر بازار آئے تھے۔ اب آپ بتایئے کہ یہ چوری ہوئی یا ابا کے دوست کی عزت افزائی۔

ماموں ساری باتیں سن کر شرمندہ ہوئے بولے۔

''سچ مچ، یہ لڑکا نیک بھی ہے اور شریف بھی، ایسے ہی لڑکے ترقی کرتے ہیں—''

■

Nazir Ahmad Yousufi
Urdu Darbar, Rahmania School Street
Jahangiri Mohalla
Po: Asansol - 713302
Mob.: 08436030688

کہانی

ریشمی اور شیرو

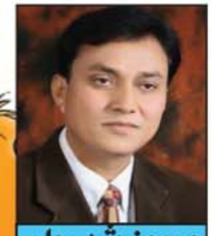

پرویز شہریار

ماجدہ اور ٹیپو دو بہن بھائی تھے۔ ان کا اصلی نام تو ماجدہ پروین اور ٹیپو سلطان تھا لیکن ان کے والدین انھیں پیار سے ماجدہ اور ٹیپو کہہ کر بلاتے تھے۔ دونوں آپس میں بہت مِل جُل کر رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی ان کے آپس میں جھگڑے بھی ہوجایا کرتے تھے۔ پہلے دونوں میں کسی بات پر تکرار ہوتی، پھر شکایت کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ خاص طور سے ٹیپو جب ماجدہ کی بلی کو مار بھگاتا تو وہ ناراض ہوجاتی۔ ماجدہ کو اپنی بلی بہت عزیز تھی۔ وہ اسے پیار سے پچکارتے ہوئے ریشمی کہا کرتی تھی کیونکہ اس کے ریشم جیسے ملائم اور بھورے بال ماجدہ کو بہت اچھے لگتے تھے۔

ماجدہ اور ٹیپو اسکول سے آتے ہی بستہ ایک طرف کو رکھتے اور دوڑ کر اپنے اپنے پالتو جانوروں کی سب سے پہلے خبر گیری کرتے تھے۔ ایک دن بلی کا بچہ دودھ کی ڈیری کے پاس ٹھنڈ سے کانپ رہا تھا، وہیں سے ٹیپو کے ابو اُسے اُٹھا لائے تھے۔ کسی چھوٹی سی بوتل میں بھر کے اُسے بار بار دودھ پلایا۔ تب جا کر بڑی مشکل سے اس کی جان بچی تھی۔

لیکن مرغے کی کہانی ذرا مختلف تھی۔ ماجدہ اور ٹیپو اپنے والدین کے ساتھ بازار سے واپس گھر آرہے تھے۔ تبھی انھوں نے راستے میں کہیں پر مرغی کے چوزے بکتے ہوئے دیکھ لیے۔ انھیں وہ ننھے منھے چوزے اتنے پیارے معلوم ہوئے کہ دونوں بچوں نے چوزے خریدنے کی فرمائش کرڈالی۔

ٹیپو تو امی کا دُلارا شروع سے تھا۔ اس کی معصوم سی ضد پر چوزوں کو خرید لیا گیا۔ گھر آنے کے دوسرے ہی دن ایک چوزہ بے چارہ پانی کے پیالے میں گر کر ٹھنڈ سے مرگیا۔ دوسرے کی قسمت اچھی تھی۔ وہ جیسے تیسے بڑا ہوتا گیا۔ ماجدہ اور ٹیپو کا تو وہ جیسے کوئی کھلونا ہو، وہ ہر وقت ان کے پیچھے پیچھے بھاگتے پھرتے تھے۔ دونوں اپنے اپنے پالتو جانوروں پر اپنی جان چھڑکتے تھے۔

گھر میں ٹیپو چھوٹا اور ماجدہ بڑی تھی۔ ماجدہ جب ٹیپو کو اس کی شرارت پر مارنے کے لیے دوڑتی تو وہ بھاگ کر اپنی امی کی گود میں چھپ جایا کرتا تھا۔

ماجدہ اُس کی بہت شکایت کرتی، لیکن وہ اپنی امی کا چہیتا

بیٹا تھا۔ امی ماجدہ کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہتیں ۔ ''تم اِس کی بڑی بہن ہو۔ بڑی بہن کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا کرے۔ تم بھی اسے معاف کر دو۔''

اسی طرح، ماجدہ اگر کبھی ٹیپو کے مرغ کو ذرا سا بھی ہُش ہُش کر کے دوڑ بھگا دیتی تو ٹیپو کو بہت برا لگتا تھا۔ وہ اپنی آپی کی اس حرکت پر ایک دم سے روہانسا ہو جاتا اور ماجدہ کو امی سے ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔

دراصل، ٹیپو کو اپنے مرغ سے بہت پیار تھا۔ وہ اسے پیار سے شیرو کہہ کر پکارتا تھا۔ کوئی شیرو کو تکلیف دے، یہ اُسے منظور نہیں تھا۔ وہ ماجدہ کی شکایت اپنے ابو سے لگاتا۔ لیکن ابو جب اُسے پیار سے سمجھاتے ۔ ''دیکھو بیٹا! ماجدہ تمھاری بڑی بہن ہے۔ بڑی بہن کی شکایت لگانا بُری بات ہے۔ تم اُسے معاف کر دو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو جائیں گے۔''

ٹیپو کا غصہ منٹوں میں کم ہو جاتا اور وہ بڑی معصومیت سے اپنے ابو کی بات پر اُسے معاف کر دیتا۔ ابو جب بھانپ لیتے کہ اس کا غصہ کافور ہو چکا ہے، تب بڑے پیار سے کہتے۔ ''چلو، اب اچھے بچے کی طرح اپنی بڑی بہن ماجدہ کو سلام کرو اور ہاتھ ملاؤ۔''

پہلے وہ اپنی جھکی شرمائی نظروں سے ماجدہ کو دیکھ کر یہ اندازہ لگاتا کہ ماجدہ کا غصہ ختم ہوا ہے کہ نہیں۔ جب اسے یقین ہو جاتا کہ ماجدہ اب اسے معاف کر دے گی۔ تب جھجکتے ہوئے ، آہستہ آہستہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا۔ اُس کی ایسی حرکت پر ماجدہ بے اختیار ہنس پڑتی۔ دونوں ہاتھ ملا لیتے اور اس کے بعد ساتھ میں کھیلنے لگتے تھے۔

یہ اُن کا معمول تھا۔ کھیلتے، جھگڑتے، ناراض ہوتے، کٹی کر لیتے اور پھر جلدی ہی دونوں میں دوستی بھی ہو جاتی تھی۔

لیکن ایک دن تو سمجھو غضب ہی ہو گیا۔

مرغ اور بلی کو لے کر دونوں بھائی بہنوں میں زبردست تکرار ہو گئی۔

ٹیپو کہہ رہا تھا۔ ''میرا شیرو تمھاری ریشمی سے اچھا ہے۔ وہ صبح سویرے اُٹھ کر اذان دیتا ہے۔ سب کو نیند سے جگاتا ہے۔ لیکن تمھاری ریشمی تو بس میاؤں میاؤں کے سوا کچھ جانتی ہی نہیں!''

اس پر ماجدہ غصہ ہو کر کہنے لگی۔

''چھی! تمھارا شیرو تو اپنی بیٹ سے گھر کو ہر وقت گندا کرتا رہتا ہے۔ میری ریشمی تو ہمیشہ صاف ستھری رہتی ہے۔ صبح صبح اُٹھ کے اپنا منھ صاف کرتی ہے۔ اس کے بعد زبان سے چاٹ چاٹ کر اپنے ہاتھ پاؤں بھی صاف کرتی ہے۔'' وہ تھوڑی دیر چپ رہی، اس کے بعد پھر بولی۔

''تمھارا شیرو تو کسی کام کا نہیں۔ وہ انڈے بھی نہیں دیتا ہے۔''

ٹیپو کو ماجدہ کی انڈے والی بات پر ہنسی آ گئی۔ ہنستے ہنستے بولا۔ ''مرغا کہیں انڈے دیتا ہے کیا، انڈے تو مرغیاں دیتی ہیں۔''

ماجدہ بھی اپنی غلطی پر جھینپ سی گئی۔ وہ اپنا منھ ایک ہاتھ سے چھپا کر کھی کھی کر کے ہنسنے لگی۔

''میرا شیرو تو بہادر ہے۔'' ٹیپو نے قدرے فخر سے کہا۔ ''وہ کسی انجان آدمی کو گھر میں داخل ہونے نہیں دیتا۔ کتوں کو بھی دوڑاتا ہے۔ انھیں کبھی گھر کے آگے فالتو پھٹکنے نہیں دیتا ہے۔'' اس نے قدرے حقارت بھرے انداز سے کہا ۔ ''تمھاری بلی تو ڈرپوک ہے۔ کتوں سے ڈر جاتی ہے۔''

''جی ،نہیں'' ماجدہ نے جلدی سے جواب دیا۔ ''میری ریشمی تو شیر کی خالہ ہے۔ اُسے چاہے کتنے بھی کتے کیوں نہ گھیر

لیں۔ وہ انھیں چکما دے کر پیڑ پر چڑھ جائے گی۔ سارے کتے اُس کا منھ تکتے رہ جائیں گے۔'' ماجدہ نے ٹیپو کو انگوٹھا دکھاتے ہوئے کہا۔''وہ کسی کے ہاتھ نہ آئے گی۔''

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ ماجدہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد بلی کی تعریف پھر شروع کر دی۔''میری ریشمی تو چوہوں سے گھر کی چیزوں کی حفاظت کرتی ہے۔ ریشمی نہ ہو تو چوہے ہمارے سارے کپڑے کُتر کُتر کے برباد کر دیں۔ سبزیاں اور اناج کھا جائیں''

''ہمارا شیرو بھی تو سپاہی سے کم نہیں۔اس کی لال قلغی اور سر پر سرخ رنگ کا تاج دیکھو۔ وہ سب پرندوں کا بادشاہ ہے۔ درخت کی اونچی ڈالیوں پر چڑھ کر دُشمنوں کی فوج کا دوُر ہی سے پتہ لگا سکتا ہے۔''

ٹیپو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔''ساری مرغیاں اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ وہ اُن کا رہنما ہے۔ ہمارا شیرو تو اپنی مرغیوں کی گلی کے لاوارث کتوں سے حفاظت کرتا ہے۔''

ٹیپو اپنے دونوں ہاتھ تھوڑی کے نیچے سکیڑ کر بلی کی نقل کرتے ہوئے بولا۔''تمھاری ریشمی تو کتوں سے یوں ڈرتی ہے۔ ڈر کے مارے جان بچانے کی خاطر درخت پر چڑھ جاتی ہے۔''

اتنے میں ماجدہ نے لاجواب ہو کر ٹیپو کو دھکا دے دیا۔ ٹیپو اپنا توازن کھو بیٹھا۔ وہ زمین پر دھم سے گر پڑا۔ اس کے کپڑے گندے ہو گئے۔ وہ روتا ہوا آیا۔ اس نے امی سے ماجدہ کی رو رو کر شکایت کر دی۔

امی نے دونوں کے جھگڑنے کا سبب جان کر کہا۔

''بس اتنی سی بات پر جھگڑا ہو گیا؟''

انھوں نے بچوں کو بڑے پیار سے سمجھایا۔

دراصل، اللہ نے اپنی کوئی بھی مخلوق بے کار نہیں بنائی ہے۔ بس ہماری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ہم کسی بھی جاندار کو بے کار اور اپنے سے کمتر سمجھ لیتے ہیں۔

ہمارے پالتو جانوروں میں مرغے کو صبح صادق اور مغرب کے وقت کا جتنا ٹھیک ٹھیک علم ہوتا ہے، اتنا کسی دوسرے جانوروں کو عام طور سے نہیں ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں مرغے کی بانگ سن کر موذن صبح سویرے اُٹھ جاتے تھے اور مسجدوں میں اذان دیتے تھے اور پروہت مندروں میں

گھنٹے بجاتے تھے۔

دونوں بچے اپنی امی کی باتیں بہت غور سے سن رہے تھے۔ٹیپو بہت خوش ہورہا تھا ، تبھی ماجدہ کے ابو بھی وہاں آ گئے۔انھوں نے کہا۔

''ایک پرانا واقعہ ہے۔ایک آدمی اپنے کھلے برتن سے گرم دودھ پیالے میں ڈال کرجیسے ہی پینے لگا۔اس کی پالتو بلی نے اُس پر زور سے پنجہ مار کر سارا دودھ گرا دیا۔ مالک بڑا ناراض ہوا۔لیکن اس نے بلی کی اس حرکت کونظر انداز کر دیا۔اس کے بعد دوبارہ پیالے میں دودھ ڈال کر پینے کی کوشش کرنے لگا۔لیکن اس بار بھی اچانک بلی نے پنجہ مار کر سارا دودھ نیچے گرا دیا۔تب مالک کو بہت غصہ آ گیا۔اس نے بلی کو گھر سے باہر نکال دیا اور ایک بار پھر پیالے میں دودھ انڈیلنے لگا۔ جب دودھ کا برتن خالی ہوگیا۔تو وہ برتن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔اس کے اندر ایک چھپکلی مری پڑی تھی۔

اُس آدمی کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔اُس نے دروازہ کھول کر بلی کو اندر بلایا اور اسے گود میں اُٹھا کر پیار سے سہلانے لگا۔بچو! جانتے ہو اُس نے ایسا کیوں کیا؟''

ماجدہ اور ٹیپو دونوں بیک وقت بول پڑے۔

''بلی نے ایسا اس لیے کیا۔کیونکہ دودھ میں چھپکلی کا زہر پھیل چکا تھا اور اس کے پینے سے مالک کی موت ہو سکتی تھی۔اس لیے بلی نے مالک کی جان بچا کر اپنی وفاداری نبھائی۔''

بالکل سہی کہا تم دونوں نے۔اللہ نے اسے سونگھنے کی بے پناہ صلاحیت دی ہے۔اسی طرح مرغوں کو بھی اللہ نے آٹھوں پہر کی سمجھ عطا کی ہے۔وہ مغرب سے پہلے اپنے ڈربہ میں جا گھستا ہے اور صبح صادق کے لمحات میں بانگ دینا شروع کر دیتا ہے۔ تاکہ اس کی آواز سن کر سونے والے نیند سے جاگ جائیں۔اُسے اندھیرے اور اُجالے کا ہم سے بہتر علم ہوتا ہے۔

وہ ہمیں صبح جگا کر کے خدمتِ خلق کا حق ادا کرتا ہے۔یہ اس کی عبادت ہے اور یہی اس کا وظیفہ ہے۔مالکِ حقیقی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا اس کا اپنا طریقہ ہے۔ہم بھی اس کی بانگ کی آواز سن کر بستر سے اُٹھتے ہیں اور فجر کی نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ مالکِ حقیقی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا ہمارا اپنا طریقہ ہے۔خدا کی ہر مخلوق چاہے وہ جانور ہو یا انسان، سب اپنے اپنے طریقے سے مالکِ حقیقی کی عبادت کرتے ہیں۔

ہاں! بلی کا بال اگر منھ میں چلا جائے تو اس سے دمّہ کی بیماری ہو سکتی ہے۔اسی طرح، کسی خاص موسم میں پرندوں کو برڈ فلو ہوسکتا ہے۔ چنانچہ، جب ہم گھر کے اندر چھوٹے جانور پالتے ہیں تو اس کی مناسب دیکھ بھال بھی کرنی چاہیے۔ جہاں احتیاط لازمی ہے، وہاں احتیاط بھی برتنی چاہیے۔

اتنا سنتے ہی ماجدہ اور ٹیپو دونوں ایک ساتھ بول پڑے۔

''ہماری ٹیچر کہتی ہیں کہ پالتو جانوروں کو چھونے کے بعد صابن سے اچھی طرح ہاتھ دھو لینا چاہیے۔''

''شاباش، بچو!''

باورچی خانے سے آتی ہوئی ان کی امی نے کہا۔

''یہ ایک اچھی عادت ہے۔''

''اب جلدی سے سب لوگ اپنے اپنے ہاتھ دھو کر دستر خوان پر حاضر ہو جائیں ۔ کیونکہ گرما گرم کھانا آپ کا انتظار کر رہا ہے۔'' یہ سنتے ہی ریشمی بھی ماجدہ اور ٹیپو کے پیچھے پیچھے بھاگی۔شاید، اسے بھی بھوک لگی تھی۔

میاؤں! میاؤں!

■

Perwaiz Shaharyar
Flat No. IV/48, NCERT Campus
Sri Aurobindo Marg
New Delhi-110016
Mob.: 9910782964

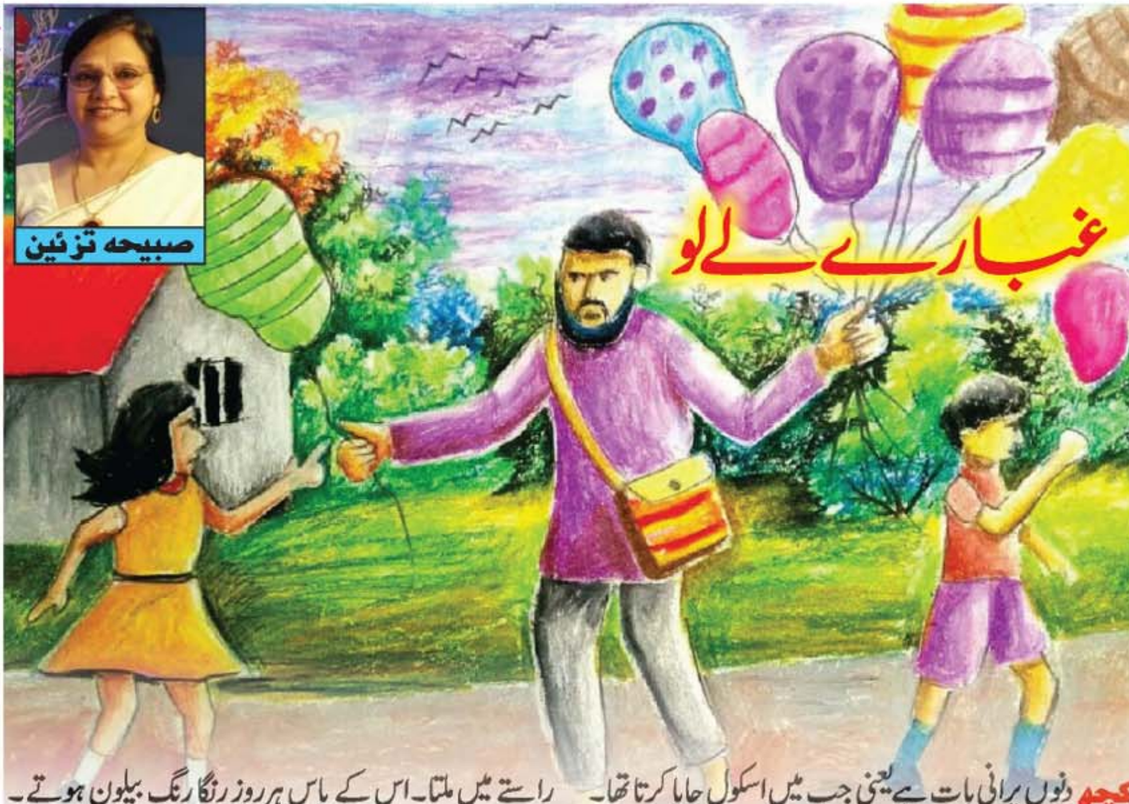

صبیحہ تزئین

غبارے لے لو

کچھ دنوں پرانی بات ہے یعنی جب میں اسکول جایا کرتا تھا۔ میرے اسکول اور گھر کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ نہیں تھا اس لیے میں روزانہ صبح اپنے پاپا کے ساتھ اسکول جاتا اور اپنے دوستوں کے ساتھ واپس آتا۔ میرے پاپا مجھے اسکول میں چھوڑ کر آفس چلے جاتے اور جاتے جاتے میرے ہاتھ میں چپکے سے ایک روپیہ رکھ دیتے۔ جی ہاں ایک روپیہ۔ اس وقت ایک روپے میں بہت ساری چیزیں آجایا کرتی تھیں، جیسے کہ آئس کریم، پیسٹری، فروٹ چارٹ یا پھر کولڈ ڈرنک وغیرہ۔ ایک طرح سے یہ ہماری لاٹری تھی کیونکہ یہ روپیہ مجھے روز ٹفن کے علاوہ ملا کرتا تھا۔ چھٹی کے بعد جب ہم چار پانچ دوست اپنے گھر کی طرف جاتے تو روزانہ الگ الگ طرح کی چیزیں لیتے اور مزے سے کھاتے ہوئے گھر پہنچ جاتے۔

ہمارے اسکول اور گھر کے درمیان راستے میں ہمیں روزانہ ایک غبارے والا نظر آتا۔ وہ روزانہ اسی راستے میں ملتا۔ اس کے پاس ہر روز رنگا رنگ بیلون ہوتے۔ کچھ چھوٹے، کچھ بڑے، کبھی بہت بڑے، کبھی کبھی وہ دو تین بیلون کو ملا کر عجیب عجیب جانوروں کی شکل بنا دیتا اور کبھی بیلون کا جھنجھنا بنا کر ہم بچوں کو لبھانے کی کوشش کرتا۔ ہمیشہ ہمارے پیچھے پیچھے آتا اور آوازیں بھی لگاتا ''غبارے لے لو، رنگ برنگے غبارے، موٹے تازے غبارے، پیارے پیارے غبارے، آج لے جاؤ گے کل پھر آؤ گے۔''

مجھے بھی غبارے بہت اچھے لگتے تھے۔ کبھی کبھی میں کچھ لینا بھی چاہتا مگر میرے پاس پیسہ ہی نہیں بچا ہوتا اور میں صرف دیکھ کر ہی خوش ہوتا۔

اکثر چھٹی کے دنوں میں ہم لوگ یعنی ممی، پاپا، میں اور میری چھوٹی بہن گڑیا، شام کو تفریح کے لیے جایا کرتے تھے اور دیر شام کو واپسی ہوا کرتی تھی۔ میں نے اکثر اس وقت بھی غبارے والے کو وہیں دیکھا جہاں میں اسے صبح کو

دیکھا کرتا تھا۔ کبھی کبھی میں سوچتا کیا اس بیلون والے کا کوئی گھر نہیں ہے؟ کیا یہ دن بھر یوں ہی کھڑے کھڑے تھک نہیں جاتا؟ کیا اسے کبھی بھوک نہیں لگتی کیونکہ میں نے اس کو کبھی کچھ کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ ہاں مگر اس کے منہ میں کچھ رہتا ضرور تھا جبھی تو وہ رہ رہ کر اپنا منہ چلایا کرتا تھا اور اپنا گلا صاف کرتا تھا۔

میرے دوست عرفان کی برتھ ڈے تھی۔ اس کی فیملی اور ہم لوگوں کے اچھے مراسم تھے اس لیے وہاں ہم سب ہی مدعو تھے۔ میں اور گڑیا بہت ہی خوش تھے۔ ممی نے ہم لوگوں کو شام میں تیار کردیا تھا۔ پاپا کا انتظار ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں پاپا ایک بڑا سا گفٹ لے کر آ گئے اور ہم سب خوشی خوشی عرفان کے گھر چلے گئے۔

عرفان کا گھر خوب سجا ہوا تھا۔ رنگین بتیاں، رنگین جھالریں، رنگ برنگے پھول اور جگہ جگہ رنگین بیلون۔ پارٹی میں ہم سب دوستوں نے خوب مزہ کیا۔ پہلے تو برتھ ڈے سانگ گایا، پھر اس نے کیک کاٹا۔ سارے بچوں کو ٹافی، سیٹی اور ٹوپی دی گئی۔ پھر ہم نے کیک کھایا اور ناشتہ کیا اور بہت دیر تک کھیلتے رہے۔

جب ہم سب گھر واپس آ رہے تھے تو بہت خوش تھے اور پارٹی ہی کی باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں اچانک ہمارے سامنے وہی غبارے والا آ گیا اور ہانک لگائی ''غبارے لے لو، رنگ برنگے غبارے......''

'گڑیا' نے پاپا سے ضد شروع کردی۔ ''پاپا، پاپا مجھے بیلون چاہئے۔'' اسے دیکھ کر میں نے بھی کہنا شروع کردیا۔ ہاں پاپا مجھے بھی بیلون لینا ہے۔ گڑیا نے پھر ضد کی مجھے لال اور سبز والے غبارے چاہئے۔ ممی نے ڈانٹ لگائی ''چپ چاپ گھر چلو۔'' پاپا نے کہا ''ابھی تو آپ لوگ اتنی اچھی پارٹی سے آ رہے ہو اور اب گندے بچوں کی طرح ضد کر رہے ہو؟ جانتے ہو نا ضد کرنا بری بات ہے۔ غبارے والا ہمارے پاس ہی کھڑا تھا۔ ہمیں امید تھی کہ ممی پاپا غبارے ضرور دلوائیں گے۔

''ضد نہیں کرتے، گھر چلو۔'' پاپا نے کہا۔

''بابو جی! اگر آپ کے بچے ضد نہیں کریں گے تو ہمارے بچے کیسے کھائیں گے؟ کیسے پڑھیں گے؟'' غبارے والے نے بہت آہستہ اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا پاپا نے ہم دونوں کو ہی غبارے دلوا دیے اور ہم دونوں خوشی خوشی گھر آ گئے۔

ہماری تو عید ہوگئی۔ اس دن کے بعد سے جب بھی میں یا گڑیا پاپا کے ساتھ باہر جاتے تو پاپا ہمیں بیلون ضرور دلوا دیتے۔ رفتہ رفتہ ایسا وقت آیا جب غبارے ہمارے لیے غیر اہم ہوگئے، لیکن پاپا پھر بھی لے آتے تھے۔ ممی نے بھی کئی بار منع کیا ''ارے اب بچے بڑے ہوگئے ہیں، غبارے سے نہیں کھیلتے پھر بھی آپ لے آتے ہیں۔'' پاپا نے کہا'' ہاں! اب اس کے بھی بچے بڑے ہوگئے ہوں گے، ان کی بھی ضرورتیں بڑی ہوگئی ہوں گی، اسی لیے میں لے آتا ہوں۔''

آج اس بات کو بہت دن بیت گئے ہیں۔ جو اس وقت تو میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اب شاید میں جانتا ہوں۔ اس لیے جب بھی مجھے کوئی غبارے والا نظر آتا ہے تو میں اس سے ضرور کچھ نہ کچھ خرید لیتا ہوں۔

■

Sabiha Tazeen
G-58, Battikal
Garden Reach
Kolkata-700024

آخری کوشش

عادل حیات

للی اپنی ماں اور دو بڑے بھائیوں کے ساتھ ایک گوالے کے کھونٹے پر رہتی تھی۔ گوالا، ان کی دیکھ بھال اپنے بچوں کی طرح کرتا تھا۔ صبح سویرے چڑیوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ ہی کھانے کو چارہ اور پینے کے لیے ناند بھر پانی دیتا اور دن میں کئی بار چارہ پروسا کرتا تھا۔ سورج اپنے سفر کا نصف حصہ طے کرنے کے بعد آگے بڑھتا تو گوالا اپنے ساتھ انھیں ندی کے پاس دور تک پھیلے ہرے بھرے جنگل میں لے جاتا۔ جنگل میں للّی اپنی ماں، بھائیوں اور دوسرے جانوروں کے ساتھ شام تک ہری ملائم گھاس چرتی اور اپنا چہرہ آسمان کی جانب اٹھا کر خدا کا شکر ادا کرتی۔ اس دوران اس کا منہ ایک خاص انداز میں چلتا رہتا، جس سے پیٹ میں پڑا ہوا چارہ پچ جاتا اور وہ دوبارہ گھاسوں پر اپنے ننھے منے دانتوں کا کرشمہ دکھانے لگتی۔ چمکتا ہوا سورج جب آسمان کے پار غائب ہونے لگتا تو گوالا ہانکتے ہوئے انھیں کھونٹے تک لے آتا، جہاں وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ خوش گپیوں میں دیر رات تک مصروف ہو جاتی۔

للّی بہت خوبصورت تھی۔ رنگ دودھ جیسا سفید تھا اور ماتھے پر سنہرے رنگ کی دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ دھاریاں اس کے جسم کے دوسرے حصوں پر ایسے پھیل گئی تھیں کہ دور سے دیکھنے پر گلاب کے پھول کا دھوکہ ہوتا تھا۔ گوالا اپنے سبھی جانوروں سے محبت کرتا تھا، لیکن للّی کی موہنی صورت اسے خوب بھاتی تھی۔ وہ للّی کی گردن میں اپنی بانہیں ڈالے باتیں کرتا اور کبھی کبھی اسے اپنی چارپائی کے ساتھ باندھ کر سو جایا کرتا تھا۔ للّی بھی گوالے کے بغیر چین نہیں پاتی تھی۔ کسی کام سے گوالا باہر جاتا اور اسے واپس آنے میں دیر ہو جاتی تو للّی ایسا شور مچاتی کہ بھونچال آنے کا گمان ہوتا تھا۔ اس وقت چوپائے کسی ناگہانی آفت کا انتظار کرنے لگتے اور انسان للّی اور گوالے کی محبت کی قسمیں کھانے لگتے تھے۔ للّی اپنی ماں اور بھائیوں کے ساتھ گوالے کے کھونٹے پر بہت خوش تھی۔ ماں ڈھیر سارا دودھ دیتی، جسے گوالے کا پریوار سیر ہو کر کھاتا اور بچے ہوئے دودھ کو بیچ کر اپنی دوسری ضروریات پوری کرتا تھا۔ اسی طرح

للّی کے دونوں بھائی ہل چلاتے اور گوالا کے ساتھ مل کر بوائی کے لیے کھیتوں کو تیار کرتے تھے۔ ان کی محنت ہری بھری فصلوں کی شکل میں لہلہا اٹھتی اور ایک دن اناج سے گوالے کا گھر بھر جاتا تھا۔ وہ دن للّی، اس کی ماں اور دونوں بھائیوں کے لیے بھی مزے کے ہوتے تھے۔ انھیں مختلف قسم کی گھاس، درختوں کے پتے اور طرح طرح کی چیزیں کھانے کو ملتیں۔ وہ انہیں چبا چبا کر کھاتیں اور پیٹ بھر جانے کے بعد دیر تک بیٹھی جگالی کیا کرتیں۔

ایک شام للّی اپنی ماں، دونوں بھائیوں اور دوسرے جانوروں کے ساتھ ندی کے قریب جنگل میں نرم ملائم گھاس کھانے میں منہمک تھی اور گوالا منڈیر پر بیٹھا گھاس کھاتے ہوئے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت بدن کو سہلاتی ہوئی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، جس سے گوالے کی آنکھیں بھاری ہونے لگیں اور وہ گہری نیند سو گیا۔ للّی ہری بھری گھاس کا مزہ لیتے ہوئے اپنی ماں، بھائیوں اور دوسرے جانوروں سے کب بچھڑ گئی، کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ اس کے سامنے دور تک ہری بھری اور نرم و نازک گھاس کا بستر لگا ہوا تھا۔ وہ اس گھاس کو کھاتی اور من ہی من میں خوش ہو رہی تھی کہ اچانک کسی جانور کی دہاڑ سنائی دی۔ وہ سہم گئی اور اپنا چہرہ اٹھا کر چاروں طرف دیکھا تو اسے ایک شیر گھات لگائے ہوئے بیٹھا نظر آیا۔ للّی کپکپانے لگی اور ڈر کے مارے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ شیر نے جیسے ہی اس پر چھلانگ لگائی، للّی اپنی پوری قوت کے ساتھ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ ہوا سے باتیں کرتے ہوئے ندی کے کنارے پہنچ گئی۔ اس کا پیچھا کرتے ہوئے شیر بھی آ گیا۔ اس کے آگے ندی تھی، جس میں پانی بہہ رہا تھا اور پیچھے موت کی شکل میں شیر کھڑا ہوا تھا۔ للّی نے خدا کا نام لیا اور ندی میں اتر گئی۔ ندی میں پانی گہرا نہیں تھا، لیکن اس کی نچلی سطح دلدل سے پٹی تھی۔ للّی دو چار قدم ہی اٹھا پائی تھی کہ دلدل میں پھنس کر رہ گئی۔ اس نے کوششیں تو بہت کیں، لیکن نہیں نکل سکی۔ اس کی بے بسی کو دیکھ کر شیر کھلکھلا اٹھا اور اس کے منہ میں پانی آ گیا۔ اس نے شکار کو اتنے قریب دیکھ کر اپنی پوری قوت سے چھلانگ لگائی اور للّی کے قریب ہی جا کر پھنس گیا۔ اب وہ بھی دلدل سے نکلنے کے لیے زور آزمائی کرنے لگا۔ ان دونوں کو دلدل میں پھنسے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ سورج کی ٹکیا اپنی آرام گاہ کی طرف بڑھنے لگی، لیکن انھیں کامیابی نہیں ملی۔ اچانک للّی کو ہنسی آئی۔ اس کو ہنستے ہوئے دیکھ کر شیر بھنّا گیا اور غرّاتے ہوئے للّی سے کہا:

''تمھارے پیچھے موت کھڑی ہوئی ہے...... اور تم ہو کہ ہنس رہی ہو۔''

شیر کی باتیں سُن کر للّی کی ہنسی تیز ہو گئی۔ اسے زور زور سے ہنستے ہوئے دیکھ کر شیر کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ وہ غصے سے بے قابو ہو کر للّی کو دبوچنے کے لیے ہاتھ پاؤں چلانے لگا، لیکن اپنی اس کوشش میں وہ اور بھی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ اسے دلدل سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو للّی سے پوچھا:

''اس دلدل میں ہم دونوں پھنسے ہوئے ہیں، اس سے رہائی کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آ رہی ہے..... ایسے میں ہمیں اپنی کوششیں تیز کرنی چاہئیں..... ایک تم ہو کہ کھلکھلا کر ہنس رہی ہو۔''

شیر کی باتوں کو سُن کر للّی نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا:

''شیر میاں..... تم اپنے بارے میں سوچو...... مجھے تو بچانے کے لیے میرا مالک آتا ہوگا۔''

ادھر جانور ہری ملائم گھاس کھانے میں مشغول تھے۔ للّی کی ماں اور دونوں بھائی سیر ہو گئے تو نظریں اٹھا کر چاروں

طرف دیکھا۔ انہیں للّی کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ ماں ماں کرتے ہوئے للّی کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ان کے چلاّنے کی آواز سُن کر گوالے کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پایا اور اپنی جگہ پر کھڑا آنکھیں ملتا رہا۔ اس کا ذہن صاف ہوا تو اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہاں دوسرے جانوروں کے بیچ للّی موجود نہیں تھی۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دوڑنے لگا۔ اسی حالت میں جنگل کے پار ندی کی جانب نکل آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے للّی کی ماں اور دونوں بھائی بھی تھے۔ ندی کے کنارے پہنچ کر گوالے نے چاروں دشاؤں میں نظریں دوڑائیں، اسے للّی ندی کے بیچ دلدل میں پھنسی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے ذرا فاصلے پر شیر زور آزمائی کرتا ہوا نظر آیا۔ اسے دیکھ کر گوالے کی سمجھ میں سارا ماجرا آ گیا۔ اس نے آناً فاناً ایک پیڑ کی بیل کاٹی اور اس کے ایک چھور کو للّی کی ماں اور اس کے بھائیوں کے بدن میں باندھ دیا اور دوسرے سرے کو اپنے ہاتھوں سے پکڑے ہوئے دلدل میں کود گیا۔ اس نے بیل کو للّی کے اگلے پیروں کے ساتھ پھنسا کر اس کے جسم کے گرد مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تو اس نے اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پا کر للّی کی ماں اور اس کے دونوں بھائی پیچھے کی طرف کھسکنے لگے۔ اس ترکیب سے للّی آہستہ آہستہ دلدل سے باہر آنے لگی اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنی ماں، بھائیوں اور گوالے کے درمیان کھڑی تھی۔ اس نے مڑ کر ندی کی جانب دیکھا مگر وہاں کچھ نظر نہیں آیا۔ شیر تو پہلے ہی دلدل کا لقمہ بن چکا تھا۔

■

Adil Hayat(S.M.Abu Baker)
Department of Urdu
Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025
Mob.: 9313055400

احتشام الحق آفاقی

ایک سخی شخص

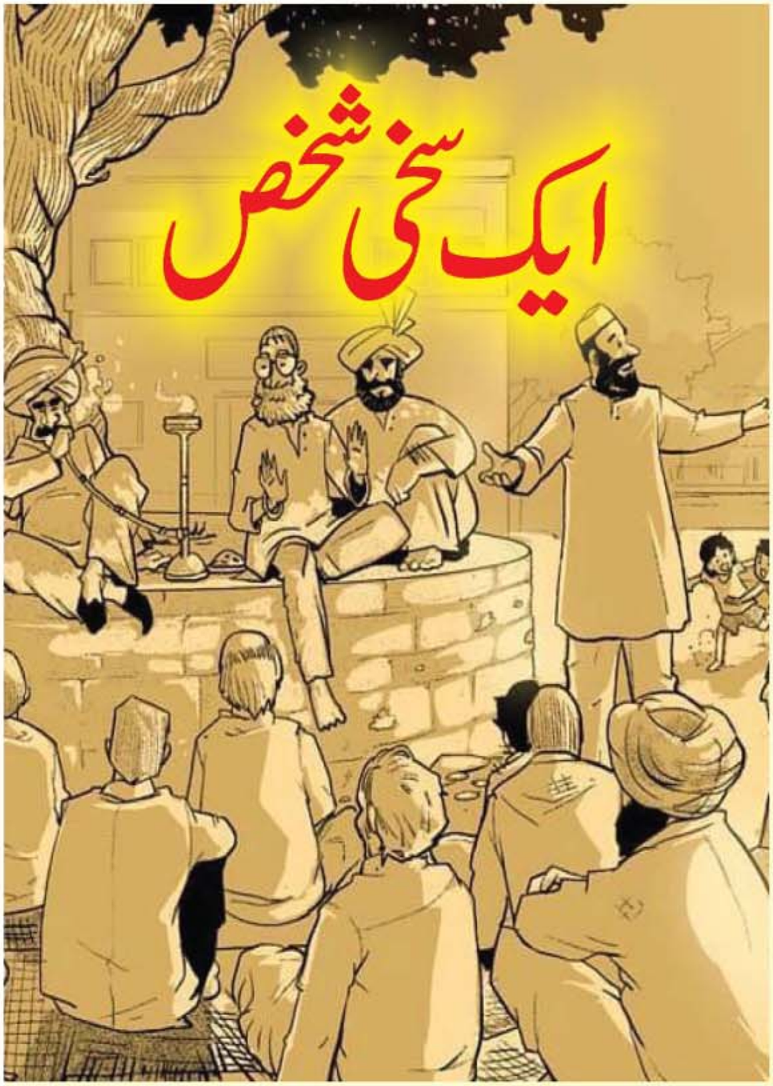

کسی گاؤں میں ایک رحم دل انسان اپنی نیک نامی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے لوگوں میں بہت مشہور تھا۔ اس مخلص انسان کو اللہ نے ہر قسم کی نعمتوں سے نواز رکھا تھا اگر کہا جائے کہ وہ اپنی سخاوت میں حاتم طائی تھا تو کچھ عجیب نہیں ہوگا۔ وہ ایک امیر آدمی ہونے کی وجہ سے بہت مقبول بھی تھا جس سے ملنے کے لیے دور سے لوگ اپنے مسائل کو لے کر آیا کرتے۔ گویا کہ وہ اپنے گاؤں کا بادشاہ تھا جس طرح بادشاہ کے دربار میں لوگ اپنے مسائل لے کر جاتے ہیں ٹھیک اسی طرح اس کے پاس بھی پریشان اور مفلوک الحال لوگ جوق در جوق آتے۔ لیکن اس رحم دل انسان کا دیدار کسی عام آدمی نے نہیں کیا تھا اس کا ایک قاعدہ تھا کہ جب بھی کسی اجنبی انسان سے بات کرتا تو وہ پردہ کے پیچھے سے بات کرتا جس کی وجہ سے پورے گاؤں میں کوئی بھی شخص اس کا چہرہ نہیں پہچانتا تھا۔

گاؤں کے لوگوں کا کاروبار زیادہ تر کھیتی باڑی پر ہی منحصر تھا۔ کسان کھیتی کر کے اپنا سارا غلہ اس آدمی کے یہاں بیچ دیتا تھا جس کو وہ سخی آدمی ذخیرہ کر لیتا اور جب لوگوں کو ضرورت ہوتی تو سستے داموں میں ان کے یہاں سے خرید کر لے جاتے۔ جس کی وجہ سے اس شخص کی شہرت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اس کی سخاوت کا چرچا دور دراز کے علاقوں میں بھی خوب تھا۔ چنانچہ کچھ شرارتی لوگوں نے پلاننگ کے تحت اس گاؤں میں آ کر اپنا ڈیرا ڈالا اور ابتدا میں تو وہ لوگ مزدور کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ مزدوری میں بجائے پیسہ لینے کے بس دو وقت کا کھانا کھا لیا کرتے اور اپنے کو وہ اس سخی آدمی سے متاثر بتاتے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ لوگ بھی خوب شہرت کے مالک ہوگئے تو اب انھوں نے اپنی چال چلنا شروع کر دی۔

مہاجر لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اس سخی آدمی کی شہرت کی مٹی پلید کریں۔ ان لوگوں نے ایک دوکان کی شکل میں اپنا چھوٹا سا کاروبار شروع کیا۔ گاؤں کے زیادہ تر بسنے والے باشندے انھیں کی دوکان سے سامان لینے کے لیے آیا کرتے جس پر انھیں خاصی رعایت ملتی تھی۔ رفتہ رفتہ کر کے ان تاجروں نے دوسرا جال پھینکا اور اب وہ گاؤں کے لوگوں سے زیادہ قیمت دیکر اناج بھی خریدنے لگے۔ اس طرح سے ان لوگوں نے خوب سارا اناج اکٹھا کر لیا۔

اب گاؤں کے لیے آزمائش کا دور شروع ہوا۔ کیونکہ اس بار کسانوں کے سارے غلے ان تاجروں نے خرید لیے جن کو وہ سخی آدمی خریدتا تھا۔ اب لوگوں کے پاس سے اناج ختم ہو گیا تھا۔ ان کے کھانے کے لالے پڑ گئے۔ جس کے لیے انھیں اناج خریدنے کی ضرورت پڑی جب گاؤں کے لوگ اناج خریدنے کے لیے ان دوکانداروں کے پاس جانے لگے تو دوکانداروں نے اس کی قیمت دوگنی کر دی جو ہر کوئی ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے انھیں کافی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔

دوکانداروں کی بدمعاشی کی شکایت لے کر گاؤں کے معززین اس سخی آدمی کے دربار میں پہنچے تو وہاں بھی انھیں مایوسی ہوئی۔ لیکن اس شخص نے گاؤں والوں کو یہ یقین دلایا کہ یہ آزمائش کا وقت ہے اس لیے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ پاک جلد ہی کوئی بہتر راستہ نکال دے گا۔ عوام سخت محنت مزدوری کے باوجود پیٹ بھر کر دو وقت کا کھانا نہ کھا سکتے تھے۔ گاؤں میں بدحالی عام ہو گئی۔ حاتم صفت شخص عوام میں اپنا وقار اور اعتبار بُری طرح کھو چکا تھا۔ جو لوگ پہلے اس کے گُن گاتے تھے، اب اس کا نام سننا بھی پسند نہ کرتے۔

ایک دن وہ سخی شخص بھیس بدل کر لوگوں کے درمیان گھوم پھر رہا تھا اس نے لوگوں کو بات کرتے ہوئے سنا کہ کیا ہمارا وہ مسیحا جو ہمارا اس قدر خیال رکھتا وہ دوبارہ ہم لوگوں کے اعتبار کو حاصل کر سکے گا اور گاؤں کے لوگوں کی وہ خوشحالی واپس آ سکے گی۔ جس پر اس شخص نے جواب دیا ہاں ضرور وہ اپنا وقار اور رتبہ کو حاصل کر لے گا۔ جس طرح حالات کو خراب ہونے میں وقت لگا ہے اسی طرح حالات کو سدھرنے میں بھی وقت لگے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ گاؤں والوں کو اس شخص پر اعتبار کر کے اس کا کہا ماننا چاہیے۔

اگلے روز اس شخص نے اپنے خاص ہم خیالوں کو بلایا اور گاؤں کے حالات پر بات چیت کی۔ اس نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اس کے خزانہ میں جتنا اناج ہے اس کو باہر منڈی میں لے جا کر مفت بانٹنا شروع کر دیں اور گاؤں والوں کو کہیں کہ کوئی بھی شخص باہری دوکانداروں سے کوئی سامان نہ لے۔ اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ کسی دوسرے گاؤں کے لوگوں کو اناج بالکل بھی نہیں دیا جائے گا۔ اس طرح ان بدمعاشوں کا کاروبار تباہ ہو جائے گا اور وہ اس گاؤں کو چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

لہٰذا گاؤں کے لوگوں نے اس سخی آدمی کی بات کو مانتے ہوئے ان دکانداروں کا بائیکاٹ کر دیا جس کی وجہ سے کوئی بھی آدمی ان کی دکانوں پر نہیں آتا تھا۔ اس طرح وہ لوگ اپنے کاروبار کو ڈوبتا دیکھ کر اپنے کیے پر شرمندہ ہوئے اور سارا کاروبار سمیٹ کر اس گاؤں کو چھوڑ کر واپس چلے گئے اور اس سخی آدمی کی وجہ سے لوگ پھر خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

■

Ehtasham Ul Haque
H.N.: 310, Mohalla Kunda
Near Shahbad Gate
Eid Gaah
Rampur 244901 (UP)

صمد صفی

ہیرے کی قیمت

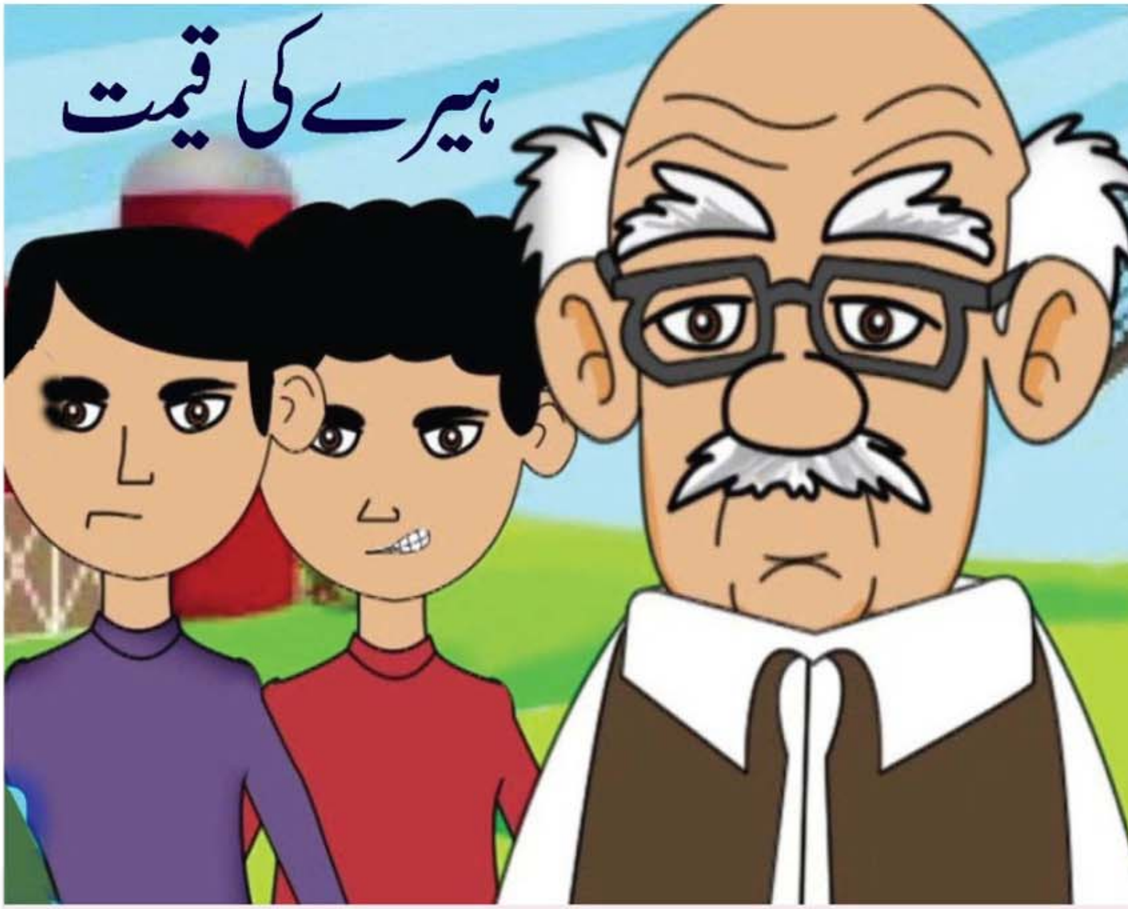

گزرے زمانے کی بات ہے کسی گاؤں میں ایک بے حد غریب شخص رہتا تھا۔ وہ بڑی مفلسی اور تنگ دستی میں زندگی گزار رہا تھا۔ وہ اپنے گاؤں ہی کے دوسرے کسان کے کھیتوں میں کام کیا کرتا تھا۔ کھیتوں میں بوائی اور فصل کی کٹائی کے دنوں میں اس کی کچھ کمائی ہوجاتی تھی اور تھوڑے دنوں کا گزارہ ہوجاتا تھا مگر بقیہ دنوں میں بدحالی سے پریشان رہتا تھا۔

وہ چاہتا تو شہر جاکر محنت مزدوری کر کے پیسے کما سکتا تھا مگر اپنی ماں سے اس کی بے انتہا محبت اس کے قدم روک لیتی وہ سارے دکھ سہہ سکتا تھا مگر ماں کو بے سہارا چھوڑ کر شہر جانا قطعی گوارہ نہ تھا اس کے علاوہ اپنی سرزمین اپنے گھر اور اپنے گاؤں سے دوری بھی اس کے مزاج کے خلاف تھی۔

ایک دن اس کی ماں نے اسے سمجھایا کہ وہ شادی کر کے اچھی سی بہو لے آئے مگر اس نے انکار کردیا کہ بہو کے آجانے پر گھر کا خرچ بڑھ جائے گا اس غریبی میں وہ گھر کا خرچ کس طرح پورا کرے گا۔ پھر اس کی ماں نے بتایا۔

''دیکھ بیٹا اب میری عمر ہوگئی ہے میرے پاس اپنی شادی کے وقت کا ایک دو زیور پڑا ہے اسے فروخت کردے اور جو پیسے ملیں گے اس سے تین چار بکریاں خرید لے۔ دیکھنا چند ماہ میں ان بکریوں کی تعداد دوگنی چوگنی ہوجائے گی پھر ان میں سے کچھ بکرے بکریوں کو بیچنے کے بعد ہاتھ میں پیسے آجائیں گے اس طرح آمدنی بڑھتی جائے گی۔''

''مگر ماں! یہ تو شیخ چلی والی کہانی کی بات بھی ہوسکتی ہے۔''

''نہیں بیٹا! ہمت مرداں مدد خدا والی بات ہوگی! شرط ہے تمھاری سچی لگن اور محنت۔ محنت کرو گے تو اس کا میٹھا پھل ضرور پاؤ گے۔''

اپنی ماں کا یہ مشورہ اسے بہت اچھا لگا چنانچہ اس نے ماں کے زیور فروخت کر کے چند بکریاں خرید لیں۔ پھر اپنی محنت اور لگن کی وجہ سے بہت ہی تھوڑے دنوں میں بکرے بکریوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوگیا اور اس کی تنگ دستی روز بہ روز خوشحالی سے قریب تر ہوتی گئی۔

وہ روزانہ اپنی بکریوں کو چرانے کے لیے پاس کے میدانوں میں چلا جاتا اور شام ہوتے ہوتے گھر واپس چلا آتا۔ ایک دن حسبِ معمول جب گھر واپس آ رہا تھا تو راستے میں اسے ایک غیر معمولی قسم کے پتھر کا ایک ٹکڑا نظر آیا جو بڑا ہی چمکدار اور خوبصورت تھا اس سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے لپک کر اس پتھر کے ٹکڑے کو اٹھالیا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر غور سے دیکھنے لگا جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے اپنے ایک بکرے کے گلے میں لگے پٹے میں لٹکا دیا جیسا کہ اکثر پالتو بیلوں کے گلے میں لگے پٹے میں گھنگھرو وغیرہ بندھا ہوتا ہے۔

ایک جوہر شناس آدمی دور سے اس چرواہے کی ایک ایک حرکت پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچا اور بکرے کے گلے میں لٹکے ہوئے پتھر کو دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ وہ پتھر نہیں بلکہ ہیرا تھا جسے حاصل کرنے کے لیے اس کا پیچھا کرتے کرتے اس کے گھر تک جا پہنچا اور چرواہے کو مخاطب کیا ''بھائی یہ پتھر جو تم نے اپنے بکرے کے گلے میں ٹانگ رکھا ہے تمھارے کسی کام کا نہیں ہے۔ اس لیے مجھے دے دو یہ میرے کام آجائے گا۔ اس کے عوض تمھیں اتنے پیسے دوں گا جس سے تم کم از کم دو بکرے ضرور خرید لو گے۔''

پیسے کی بات سن کر وہ بڑا خوش ہوا فوراً بولا ''تو پھر ٹھیک ہے لے لو۔''

اس شخص نے چرواہے کو دس روپے دیے (اس زمانے میں ایک بکرا یا بکری کی قیمت چار پانچ روپے سے زیادہ نہیں ہوتی تھی) اور اس پتھر یا ہیرے کے ٹکڑے کو اپنی جیب میں رکھ کر اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔

اس شخص کا گھر گاؤں کے قریب سے گزرنے والی ندی کے اُس پار تھا۔ ندی کی گہرائی زیادہ تھی اس لیے اس طرف آنے جانے کے لیے کشتی یا ناؤ کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ جب وہ ناؤ پر بیٹھا ندی کے بیچ دھارے میں پہنچا تو اس ہیرے کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر پھر سے دیکھنے لگا اور خوش ہو رہا تھا کہ ہزاروں روپے کا ہیرا اس نے مٹی کے مول خریدا ہے یکا یک اسے ہیرے کے ٹکڑے سے ایک صدا سنائی دی— ! ''اے لالچی، مطلبی، موقع پرست اور کم ظرف! وہ چرواہا تو بالکل نادان اور سیدھا سادا سا تھا وہ مجھ سے ناآشنا تھا اور میری قدر و قیمت نہیں جانتا تھا۔ وہ تو صرف اپنی ماں اور اپنی سرزمین کی قدر و قیمت چاہتا تھا— !

مگر تو تو میرا قدر دان ہے۔ میری قدر و قیمت جانتا ہے۔ پھر تو نے میری قیمت صرف دس روپے کیوں لگائی؟ اس صدا کے ساتھ وہ ہیرا چور چور ہو کر سنگ ریزے کی صورت اس کے ہاتھ سے پھسلتا ہوا ندی کے دھارے میں جا گرا۔

■

Samad Safi
Bharat Telecom
PO: Jhajha
Distt: Jamui - 811308 (Bihar)

حقانی القاسمی

بچپن زندہ ہے مجھ میں

پیارے بچو! اردو کے مقبول شاعر بشیر بدر کا ایک معروف شعر ہے۔

اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں
پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے

یہ سچ ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں بچپن کا زمانہ لوٹ آتا ہے۔ بچپن کی ساری یادیں بڑھاپے میں بے چین کرنے لگتی ہیں۔ کاغذ کی کشتی، تتلیاں، جگنو، گڑیا سب ذہن کے پردے پر رقص کرنے لگتے ہیں اور دل میں یہ خواہش جنم لیتی ہے جس کا اظہار نوشی گیلانی جیسی شاعرہ نے کچھ یوں کیا ہے۔

کچھ نہیں چاہیے مجھ سے اے مری عمرِ رواں
مرا بچپن، مرے جگنو، مری گڑیا لا دے

بچو! اس کا اندازہ آپ کو ابھی نہیں اس وقت ہوگا جب آپ بھی اِس منزل سے گزریں گے۔ بچپن کی شوخیاں، شرارتیں سب یادیں آئیں گی مگر بچپن کا یہ قیمتی لمحہ پھر بھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ ہاں یہ ہوگا کہ بچپن کے دن آپ کو بہت یاد آئیں گے اور آپ شکیل بدایونی کا یہ نغمہ شاید گنگنانے لگیں گے۔

بچپن کے دن بھلا نہ دینا

اب دیکھیے نا کہ پروفیسر حنیف کیفی صاحب کی عمر شاید 83 سال سے زیادہ ہے لیکن انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے 'بچپن زندہ ہے مجھ میں'۔

اس کتاب میں انھوں نے بچوں کے لیے نظمیں لکھی ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے ان نظموں میں اپنے بچپن کو تلاش کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی، پیاری پیاری سی نظمیں ہیں جن میں وہ کبھی اپنی ننھی منی لامعہ سے مخاطب ہوتے ہیں تو کبھی اپنی چھوٹی سی پیاری معیشہ سے خطاب کرتے ہیں۔ دراصل ان بچوں میں وہ اپنے ان لمحوں کو تلاش کرتے ہیں جب وہ بھی عمر کی اسی منزل میں تھے۔ وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں۔

ننھی سی وہ بچی ہے   لامعہ سیدھی سچی ہے
ٹھمک ٹھمک چلتی ہے   گرتی اور سنبھلتی ہے
تیز چلے تو گر جائے   سیٹی بجاؤ اٹھ آئے
اس کے رنگ ہیں البیلے   ارشد چاچا سنگ کھیلے
ہنستی ہے وہ متوالی   سن کر ارشد کی تالی!

پیاری معیشہ کی شرارتوں اور حرکتوں کو کچھ اس طرح یاد کرتے ہیں کہ ہمیں خود اپنا بچپن یاد آنے لگتا ہے۔

آئی معیشہ چھوٹی سی   بن گئیں لامعہ اب باجی
فائق بھائی جان بنے   تھے چھوٹے اب بڑے بنے
پاس وہ مما کے سوئے   دیر ذرا ہو تو روئے
چیختی ہے چلاتی ہے   کیسا رعب جماتی ہے
نخرے خوب دکھاتی ہے   بات اپنی منواتی ہے
بول نہیں وہ پاتی ہے   منہ سے نقل بناتی ہے
غصہ جب اس کو آئے   چیخ کے رو کے دھمکائے

پیارے بچو! یہ وہ کیفیتیں ہیں جن سے آپ بھی گزرتے ہوں گے۔ آپ کو بھی اسی طرح غصہ آتا ہوگا، اسی طرح اپنی بات منواتے ہوں گے۔ یہ صرف معیشہ کی کہانی نہیں ہے بلکہ

ہر چھوٹے، ننھے منے بچے کی یہی کہانی ہے۔

بچوں کی نظموں کی اس کتاب میں آپ کے لیے ریل گاڑی بھی ہے، بندر ماما بھی ہیں، ماں بھی ہے اور اسکول بھی ہے اور وہ ساری باتیں ہیں جو آپ پڑھنا پسند کرتے ہیں، جو آپ کے دل کو گدگداتی ہیں اور جو آپ کے احساس کو ایک نیا رنگ دیتی ہیں۔ اس میں چھک چھک کرتی ریل کا جب ذکر آتا ہے تو آپ کو کتنا مزہ آتا ہوگا۔ اسی طرح چوہے بلی کا کھیل کیا بھول سکتے ہیں؟ اس طرح کی بہت ساری اچھی اچھی، پیاری پیاری باتیں نظم کے پیرائے میں پروفیسر حنیف کیفی نے لکھی ہیں اور صرف یہی نہیں کہ بچوں کی شوخیوں، شرارتوں اور کھیلوں کا ذکر کیا ہے بلکہ انھیں بچوں کی پریشانیوں کا بھی احساس ہے۔ اسی لیے دیکھیے اس نظم میں کتنی خوبصورتی کے ساتھ آپ کی پریشانیوں کو بھی بیان کیا ہے۔

مجھ پہ جو روز گزرتی ہے بتاؤں کیسے
بھاری بستہ ہے یہ کاندھے پہ اٹھاؤں کیسے
بوجھ یہ لے کے میں اسکول کو جاؤں کیسے

رہ گیا دب کے کتابوں تلے بچپن میرا
پڑھنا لکھنا ہی مرا بن گیا دشمن میرا
دل کو میں کھیل کھلونوں میں لگاؤں کیسے
مجھ پہ جو روز گزرتی ہے بتاؤں کیسے

بچو! اردو کے زیادہ تر شاعر بچوں کے لیے نظمیں اور غزلیں تو لکھتے ہی ہیں، حنیف کیفی کی خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے آپ کے لیے ہائیکو بھی لکھی ہے۔ ہائیکو جاپانی شاعری میں ایک قسم کی نظم کو کہتے ہیں۔ یہ بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس میں تین مصرعے ہوتے ہیں۔ دیکھیے چھوٹی سی ہائیکو میں کتنی بڑی بڑی باتیں انھوں نے کہی ہیں۔

آ پہنچا اکزام
چھوڑو ٹی۔وی اور سب کھیل
کام آئے گا کام

★★★

اے۔ بی۔ سی۔ ڈی۔ ای
پگلم پگلا پگّو بھی
پڑھ مُزنہ رانی

★★★

ڈھونڈیں ہر ہر چھور
آنکھ مچولی کھیلیں یار
جو پکڑا وہ چور

بچو! اس کتاب میں آپ کے لیے بہت پیاری پیاری نظمیں ہیں جن سے آپ کو بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ حنیف کیفی صاحب بہت بڑے ادیب ہیں، انھوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں مگر بچوں کو بھی فراموش نہیں کیا اور انھیں اپنی نظموں کا مرکز بنایا۔ انھوں نے اپنی کتاب کے ذریعے نہ صرف آپ سے بلکہ اپنے بچپن سے بھی ایک رشتہ جوڑا ہے کیونکہ بچپن زندگی کا سب سے قیمتی مرحلہ ہوتا ہے۔ حنیف کیفی نے اپنے اندر کے بچے کو محفوظ رکھا ہے، یہ بڑی بات ہے مگر ہم جس زمانے میں جی رہے ہیں اس کا حال یہ ہے کہ ہمارے اندر کا بچہ مر چکا ہے۔ اسی لیے وہ معصومیت بھی کھو گئی ہے جو بچوں کے ساتھ مخصوص تھی، شاید اسی لیے پروین شاکر نے کہا ہے۔

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہوگئے

پیارے بچو! آپ چاہے جتنے بھی بڑے ہوجائیں، پروفیسر حنیف کیفی کی طرح آپ بھی اپنے بچپن کو زندہ رکھنے کی کوشش ضرور کریں۔

یہ کتاب 80 صفحات کی ہے اور اس کی قیمت 100 روپے ہے۔ یہ کسی بھی کتب خانے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

■

Haqqani Al-Qasmi
Cell.: 9891726444
Email.: haqqanialqasmi@gmail.com

اردو زبان کا جادو

پندرہویں قسط

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رساله هے۔ هماری کوشش رهتی هے که رسالے میں زیاده سے زیاده دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اهم مقصد یه هے که هم اپنی زبان 'اردو' کو فروغ دیں اور زیاده سے زیاده لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی هے۔ هم نے اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسله شروع کیا هے جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا هے۔ امید هے که آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (اداره)

اِس ذهنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(15) پینڈنٹ بنایئے

مقصد : علامتوں کی پہچان

ہدایت : دائرے میں 'ن' پر ختم ہونے والے چند الفاظ دیے گئے ہیں ان پر غور کیجیے اور نشان والے حروف کی علامتوں کو خالی خانوں میں لکھیے۔

کھلاڑی: 1 وقت: 2 منٹ نمبر: 5

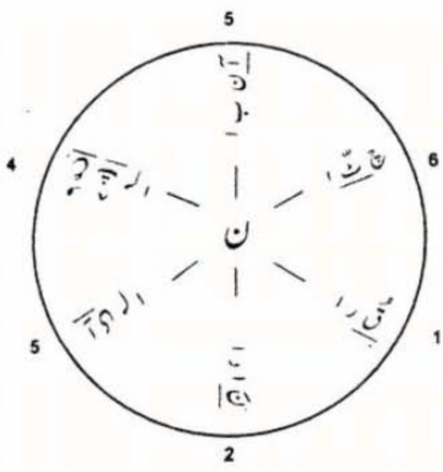

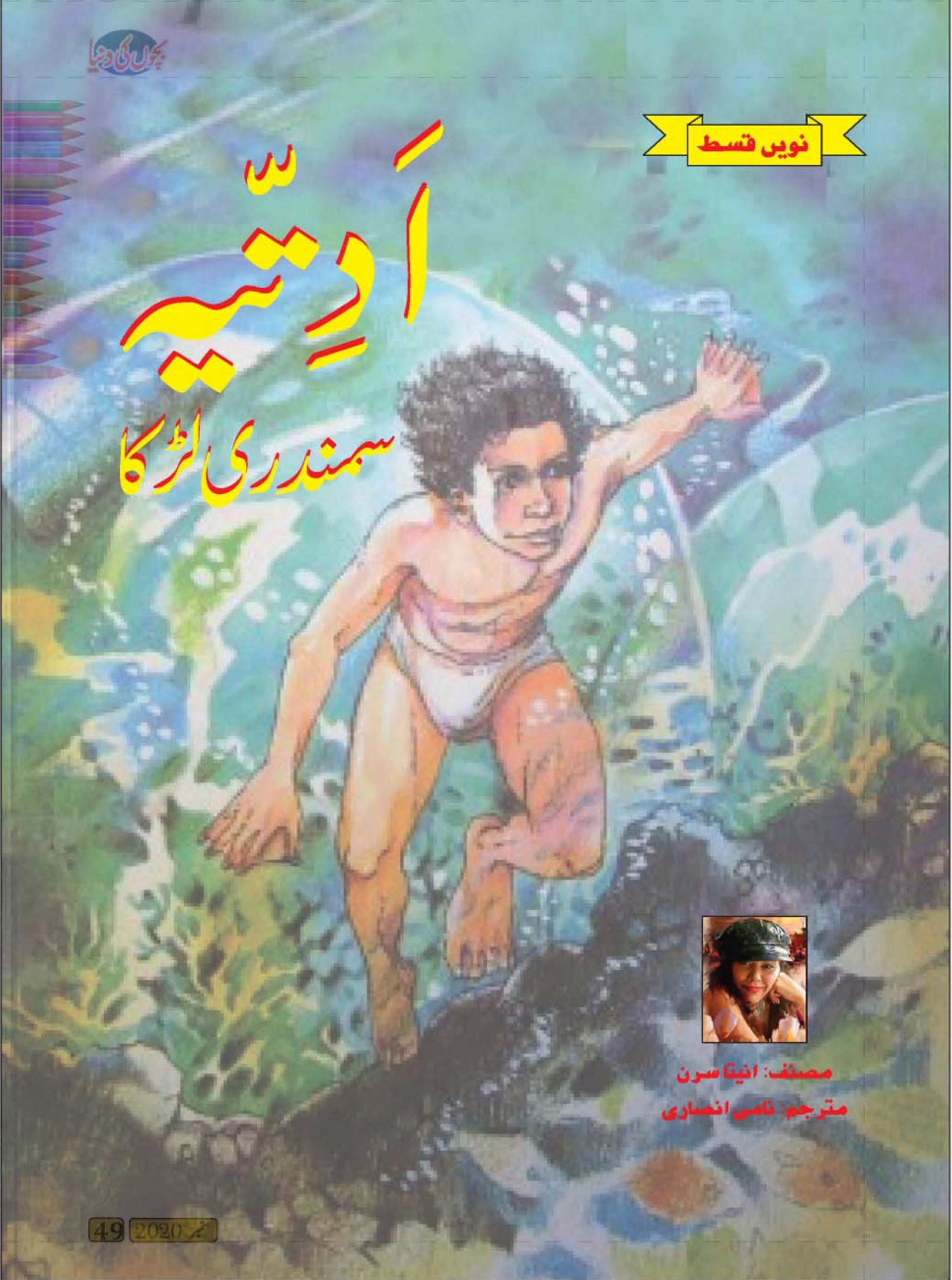

نویں قسط

اَدِتّیہ

سمندری لڑکا

مصنف: انیتا سرن
مترجم: نامی انصاری

پروفیسر سین سمندر اور سمندری مخلوقات پر ریسرچ کررہے ہیں۔ انہوں نے اپنے جین سے ایک سمندری انسان تیار کیا تھا جو آدھا انسان اور آدھا ڈولفن ہے۔ جو انسانوں کی طرح بات کرتا ہے۔ ڈولفن کی باتیں سن سکتا ہے۔ انہیں جواب دے سکتا ہے، اس انوکھی مخلوق کا نام ادتیہ ہے۔ پروفیسر سین نے سمندر کی گہرائی میں دفن راز اور ڈولفن سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اسے بنایا ہے۔پندرہ ڈولفن مچھلیوں نے طویل سفر شروع کیا تو ادتیہ ان مچھلیو ںکی 'لیڈر کی' کی پیٹھ پر بیٹھ کر سمندری سفر پر روانہ ہوگیا۔ سبھی لوگ آسٹریلیا پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ڈاکوؤں کا ایک جہاز سمندر کی تہہ میں نظر آیا۔ جہاز کے کیپٹن کی لاش کے ہاتھ میں ایک لاکٹ تھا جس کے اندرایک کاغذ نکلتا ہے ۔اس میں اس شخص کا اپنی بیوی کے لیے پیغام ہوتا ہے۔ ادتیہ اُسے وہیں چھوڑ دیتا ہے۔ ڈولفن مچھلیاں ادتیہ کے گرد جمع ہوجاتی ہیں۔ کی نامی ڈولفن مچھلی ادتیہ کو سمندر کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتی ہے جس سے سمندر، زمین اور ان سے متعلق بہت سے اسرار سامنے آتے ہیں۔ایک دن اس کی نظر نارنجی رنگ کی طشتری پرپڑتی ہے اور وہ اس کی حقیقت جاننے کی کھوج میں لگ جاتا ہے۔پھر پرنس اٹلان، ادتیہ، بادل دوست، کی اور شہزادی اٹلیا کی ملاقات ہوتی ہے۔ پودے نما کیڑے مکوڑوں، ڈولفن سے دوچار نیز برمودا کے تکون مندر کے بارے میںپتہ چلتاہے۔ اسی دوران ڈولفن نے ایک بچہ کی تفریح کا سامان فراہم کیا۔اورادتیہ نے تیسری آنکھ کے ذریعے قربانی کے مندر کے حیرت انگیز واقعات دیکھے۔ادتیہ نے غیر فطری انسان کا بھی مشاہدہ کیا۔اور لال رنگ کے گل بوٹے والی مینا بھی دیکھی۔آگے چل کر ادتیہ کی ایک جوگی سے ملاقات ہوئی۔جو سمندر میں اچھاخاصا وقت گزارنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔جوگی نے ادتیہ کوبتایاکہ ایک انسان پانی میں دیر تک کس طرح رہ سکتاہے ۔اس کے بعد ادتیہ اور جوگی اڑتے ہوئے ڈچ مین کو دیکھتے ہیں اور اسے شیطان سے آزادکرنے کے لیے جادوگر کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر اچانک ایٹمی آسیب کے خطرات منڈلانے لگتے ہیں، جن کے خاتمے کے لیے وہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اب آگے

جوانی کی تلاش میں

ادتیہ اپنے مونگے کے کھوہ میں سویا ہوا تھا جب اس نے ایک بڑا سہانا خواب دیکھا۔ جوگی اس سے مخاطب تھا ''سنو ادتیہ:! میں نے ایٹمی بھوتوں کو ختم کردیا ہے۔ اب ایٹمی جنگ نہیں ہوگی۔اگرچہ بہت سے برے خیالات جو آدمی کو تباہ کرتے ہیں، ختم ہوگئے ہیں لیکن ان کی جگہ ہزاروں نئے خیالات بھی پیدا ہورہے ہیں۔ جولوگ ایٹمی آسیبوں کے ذمے دار ہیں وہ اب اس برائی کے بارے میں سوچنے کے قابل ہی نہیں رہ جائیں گے۔ یہ قیمت تو ان کو چکانی ہی پڑے گی مگر میں اب واپس نہیں آسکتا۔ میں اب صرف انرجی ہوں لیکن تمھاری یادوں کی طاقت سے اس وقت اپنے فارم میں آگیا ہوں۔ جب تک میں یہاں ہوں، ایٹمی جنگ نہیں ہونے دوں گا لیکن میں اکیلے ساری برائیاں نہیں ختم کرسکتا۔ یہ تو اس خیالی راکھشس ہائڈرا کی طرح ہیں جس کا سرکٹ جاتا تھا تو اس کی

جگہ ایک نیا سرا گ آتا تھا۔ اچھا! میرے بچے رخصت! سب کو میرا اسلام اور پیار!"

ادتیہ جاگ پڑا۔ اس کا دل غم اور خوشی کے ملے جلے احساس سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اونا کو اپنے اس خواب کے بارے میں بتایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اونا سوچو تو کہ اب ایٹمی جنگ نہیں ہوگی۔ لیکن کیا" "وہ وہاں خوش ہے!' وہ یقیناً وہاں خوش ہوگا کیونکہ وہ 'مقدارِ خیال' میں بہت سے کاموں کو پورا کر رہا ہے اور وہ اس کے لیے موزوں بھی ہے۔"

"اب مجھے بادل دوست کو بھی اس کے بارے میں بتا دینا چاہیے۔ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟" ادتیہ نے بادل دوست کا نام لے کر زور سے پکارا۔ دوسرے ہی لمحے "وہ بھاپ کی شکل میں کھوہ کے اندر آ گیا اور ادتیہ سے جوگی کا پورا قصہ سن کر بولا وہ واقعی ایک عظیم انسان تھا۔ اس نے ہم سب کو بچا لیا۔ میرے پاس بھی تمھارے لیے کچھ خبریں ہیں۔" میرا خیال ہے کہ کچھ اچھی ہی خبر ہوگی۔" ادتیہ نے پوچھا۔ "نہیں یہ کچھ غمگین خبر ہے۔ ساحل پر سے ایک بوڑھا آدمی ایک کشتی میں سوار اس طرف آ رہا تھا۔ جب اس نے کشتی چلانی شروع کی تو لوگ اس پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ وہ اس چیز کو ہرگز نہیں پا سکے گا کیونکہ وہ بہت بوڑھا اور کمزور ہے۔" "وہ ترنن اوگ، کی تلاش میں ہے۔ شہر شباب، یعنی جوانی کا شہر" اونا چیخی۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ واقعی ایسا شہر موجود ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ہمارے یہاں سے کتنے ہی لوگ اس کی تلاش میں گئے اور ناکام رہے۔" "بے شک اس کا وجود ہے۔" بادل دوست نے جواب دیا "لیکن ترنن اوگ، کا مطلب کیا ہے؟"

"یہ ایک فردوسی جزیرہ ہے جس میں پریوں کی نسل رہتی ہے۔ یہ لوگ اصل میں آئرلینڈ کے پرانے باشندے ہیں جو مائل اسٹون سے ہار جانے کے بعد یہاں بس گئے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ سائز میں چھوٹے ہوتے گئے اور اب یہی آئرش، پریاں ہیں۔ اس جزیرے میں گھاس ہمیشہ ہری رہتی ہے اور یہاں پھول اور پھل ایک ساتھ اگتے ہیں۔ یہاں کے سب لوگ اَمر اور جوان ہیں۔ وقت کا یہاں انوکھا اثر ہوتا ہے۔ ایک آدمی سمجھتا ہے کہ وہ اس جزیرے میں صرف دو دن رہا ہے لیکن جب وہ اپنی دنیا میں لوٹتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ دو سو سال گزر گئے اور تب وہ فوراً ہی بوڑھا ہو کر مر جاتا ہے۔"

اونا خاموشی سے بادل دوست کی باتیں سنتی رہی۔ اسے اپنے پتا کی یاد آئی جو اس کو پریوں کا سنگیت سنایا کرتا تھا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ترنن اوگ، چھوڑ کر کبھی نہیں جا سکتے؟" "تم اسے صرف ٹاٹھا کی مدد سے ہی چھوڑ سکتے ہو۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ جزیرہ چھوڑتے وقت مہر بند ڈبے دیے گئے تھے جن میں ان کی عمریں بند تھیں۔ ایک آدمی نے جیسے ہی اپنا ڈبہ کھولا، وہ راکھ میں تبدیل ہو کر ختم ہو گیا۔" "یہ وقت کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس جزیرے میں وقت کا اثر سب سے الگ کیوں ہوتا ہے؟" ادتیہ نے پوچھا "کیوں نہیں! آئن اسٹائن نے کہا تھا کہ وقت کا الگ سے اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ تو واقعات ہیں جن سے ہم وقت کو ناپتے ہیں۔ جیسے تم صبح کو ناشتہ کرتے ہو، دوپہر میں اور رات کو کھانا کھاتے ہو اور سمجھ لیتے ہو کہ ایک دن گزر گیا۔ لیکن یہ وقت نہیں ہے جو چلا گیا۔ وقت ہمیں اس لیے قید رکھتا ہے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہم وقت کے قیدی ہیں۔"

"وقت کے بارے میں ایک دل چسپ بات اور ہے۔ ہم وقت میں الٹے سفر کرتے ہیں۔ جب ہم آسمان پر ستاروں کے دھندوالے جھرمٹ کو دیکھتے ہیں۔" "صرف اس کو دیکھ کر

کیسے؟'' ''کیونکہ ہم اس جھرمٹ کو روشنی کے بیس لاکھ برسوں کی دوری پر دیکھتے ہیں۔ کہکشاں کی روشنی زمین پر پہنچنے میں روشنی کے بیس لاکھ سال لگ جاتے ہیں اور جس وقت ہم اسے دیکھتے ہیں تو گویا روشنی کے بیس لاکھ سال پہلے کے زمانے میں دیکھتے ہیں۔'' ''اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کہکشاں کا کوئی ستارہ آج پھٹ جائے تو ہم اس کی روشنی بیس لاکھ نوری سال تک نہیں دیکھ سکیں گے۔'' ادتیہ نے کچھ کچھ بے اعتباری سے پوچھا۔ ''بالکل یہی بات ہے۔'' ''لیکن روشنی کا سال ہے کیا؟''

ادتیہ نے دریافت کیا ''روشنی کی لکیر ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سال بھر میں جتنا سفر طے کرتی ہے وہی روشنی کا ایک سال یا 'نوری سال' ہے۔ اب حساب لگا لو کہ روشنی کا ایک سال یا نوری سال کتنا لمبا ہوگا ہے۔ ٹائم واقعی عجیب وغریب چیز ہے۔''

''میں ایک مثال اور دینا چاہتا ہوں۔ اگر ایک خلائی جہاز، روشنی کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے تو اس کے پائلٹ کو وقت بہت ہی آہستگی سے گزرتا ہوا محسوس ہوگا۔ اس کو وقت کا فریب کہتے ہیں۔'' ''میں نے کوئی آواز سنی ہے۔'' اونا نے کہا ''جیسے کوئی پانی میں پتوار چلا رہا ہو۔''

''ایسا تو نہیں ہے کہ یہ وہی بوڑھا آدمی ہو جس کے بارے میں، میں نے پہلے تمھیں بتایا تھا۔''

ہرے رنگ سے پینٹ کی ہوئی ایک کشتی، چٹان سے ٹکرا

کر رک گئی۔ بوڑھے آدمی نے پتوار کو رکھ کر اپنی بھرائی آواز میں پوچھا ''کیا یہی شہر شباب ہے؟'' ''نہیں! شاید یہ نہیں ہے'' ادتیہ نے نرمی سے جواب دیا۔ بوڑھا مایوس ہو کر کشتی کے اگلے حصے پر جھک گیا۔ ''وہ لوگ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ میں جوانی کے شہر کو کبھی نہیں پا سکتا۔ میں اپنی زندگی کا شاہکار (ماسٹر پیس) کیسے مکمل کر سکوں گا۔ میں اسے بہترین بنانا چاہتا تھا لیکن میرے کپکپاتے ہوئے ہاتھ مجھے کام ہی نہیں کرنے دیتے۔''

''کیا تم ہمیشہ زندہ رہنا چاہتے ہو؟'' اونا نے پوچھا۔

میں کس طرح دیر تک زندہ رہ کر اپنے چاروں طرف اپنی پیاری چیزوں کو ٹوٹتا پھوٹتا دیکھتا رہوں گا؟ میں صرف چند مہینے اور زندہ رہنا چاہتا ہوں تا کہ میں اپنے کام کو پورا کر سکوں۔''

''تم اس سے کچھ بات کیوں نہیں کرتے'' ادتیہ نے بادل دوست سے پوچھا۔ لیکن اونا بول اٹھی۔

''تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اپنی عمر والا ڈبہ ٹاٹھا سے لے آؤ جب تمھارا شاہکار پورا ہو جائے تو ڈبا کھول دو۔ تم اپنے آپ ختم ہو جاؤ گے۔'' ''یہ تو ٹھیک کہتی ہو لیکن کیا میں کبھی اس جزیرے تک پہنچ بھی سکوں گا؟'' ''ایک منٹ ٹھہرو۔'' اونا چیخی ''آج کون سا دن ہے؟''

''یہ مئی کا دن ہے'' بوڑھے نے جواب دیا ''ٹھیک ہے۔ آج دوسری دنیاؤں کے سب دروازے ان لوگوں کے لیے کھول دیے جاتے ہیں جو ان میں جانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک طلسمی دن ہے'' بوڑھے نے آسمان کی طرف دیکھ کر گہری سانس لی۔ ''میں تمھاری مدد کروں گا۔'' ادتیہ نے بوڑھے کی کشتی میں داخل ہو کر پتوار سنبھال لیے۔ اونا بھی اس کے ساتھ ہی کشتی میں آ گئی تھی۔ ایک گھنٹے تک خاموشی سے آگے بڑھنے کے بعد اونا چلائی۔ یہی 'ترنن اوگ' ہے۔ بوڑھا آدمی چونک اٹھا اور سب لوگ اپنے سامنے کے نظارے میں ڈوب گئے۔ وہاں پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے بڑے بڑے درخت تھے جن کی شاخوں میں جھولے لٹک رہے تھے۔ ان کی رسیاں پھولوں سے بنی ہوئی تھیں۔ رسی سے بنی سیڑھیاں اوپر کی بڑی بڑی تہوں سے لگی تھیں۔ ٹہنیوں پر لکڑی کے چھوٹے چھوٹے گھر بنے ہوئے تھے جن کے پلیٹ فارم پھولوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

بوڑھے کی آنکھوں میں مارے خوشی کے آنسو آ گئے۔ وہ کشتی سے اتر کر روپہلے ساحل کی طرف لپکا۔ وہ زور زور سے چلا رہا تھا۔ ''میں نے اسے پا لیا۔ میں نے اسے پا لیا۔ میں نے ترنن اوگ کو ڈھونڈ لیا۔'' ادتیہ اور اونا یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بوڑھے کی جھکی ہوئی پیٹھ اچانک سیدھی ہو گئی۔ وہ ادتیہ اور اونا کی طرف مڑا تو انھوں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کی تمام جھریاں غائب ہو چکی تھیں اور اس کے بال کالے ہو گئے تھے۔ اچانک سیڑھیوں سے نازک جسم والے ٹاٹھا لوگ اترنے لگے۔ ہری گھاس پر آ کر وہ اس آدمی کے چاروں طرف ناچنے لگے۔ کچھ لوگ بانسری اور ہارمونیم بھی بجا رہے تھے۔ ان کے گانے کی مٹھاس سے اونا کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ ''فادر! وہ کشتی سے اترتے ہوئے منمنائی۔ ادتیہ نے اس کو آگے جانے سے روکنا چاہا تو بادل دوست نے کہا۔ ادتیہ! اس کو جانے دو۔ ترنن اوگ تمھارے لیے نہیں ہے۔ ادتیہ بے چینی سے کشتی میں اپنے پیر ہلانے لگا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ لوگ اونا کو بھی نہ گھیر لیں۔ لیکن اونا نے مڑ کر ادتیہ کی طرف نہیں دیکھا۔ شاید وہ اس میوزک میں پوری طرح ڈوب چکی تھی جس کو سننے کے لیے وہ ہمیشہ بے چین رہا کرتی تھی اور جس کو سن کر وہ یہ بھی بھول جاتی تھی کہ وہ اصل انسان نہیں ہے۔ ''لیکن اس نے گڈ بائی کیوں نہیں کہا؟'' وہ اپنے سامنے کے خوش نما منظر کو چھوڑ کر پانی میں کود گیا۔ اس نے

ایک عجیب آواز سنی۔ ''وی ئی ئی ئی...''

گانے والی وھیل

ادتیہ چونک گیا۔ یہ ڈولفن تو ہرگز نہیں تھی۔ وہ بار بار ایک انوکھے گانے کی آواز سن رہا تھا جو ایک ہی دُھن میں تھا۔ اس گانے سے بے حد خوشی کا اظہار ہورہا تھا۔ یہ ہر لمحے زیادہ صاف اور بلند ہوتا جارہا تھا۔ اچانک اس نے گانے والے کو دیکھ لیا یہ 'اورکا' یعنی ایک قاتل وھیل مچھلی تھی۔ ادتیہ نے پایا کہ اپنے چھ فٹ لمبے تکونے بازوؤں کے ساتھ وہ ایک نَر وھیل تھی جس کی لمبائی 23 فٹ تھی۔ اس کا منہ گول اور بہت بڑا تھا اور وہ بالکل ایک بڑے تارپیڈو کی طرح معلوم ہورہی تھی۔ اس کا پیٹ سفید اور سیاہ تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں کے پیچھے اور اوپر کے سفید بیضاوی نشانات ایک پیارے پالتو کتے کی طرح تھے جس کو ادتیہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ 'اورکا' نے جیسے ہی ادتیہ کو دیکھا اپنا گانا بند کردیا اور اس کی تیز چمکیلی آنکھیں جیسے ادتیہ کے اندرون کا جائزہ لینے لگیں۔ کچھ لمحوں کے بعد اورکا نے کہا ''ادتیہ! میں تم کو تلاش کررہی تھی۔ کی نے مجھے تمھارے بارے میں ایک پیغام دیا تھا۔'' ''لیکن تم نے مجھے پہچانا کیسے؟'' میرا نام 'پوکا' ہے۔ اس نے مجھے تمھاری امیج بھیج دی تھی۔'' یہ تو بالکل ٹیلی ویژن والی بات معلوم ہوتی ہے'' ادتیہ نے ہنس کر جواب دیا ''لیکن میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ لوگ تم کو 'قاتل وھیل' کیوں کہتے ہیں۔ میں تو تم کو ایسا نہیں سمجھتا۔''

''میں کی کے پریوار سے ہوں۔ صرف ظاہری طور سے میں ڈولفن کے بجائے وھیل نظر آتی ہوں۔ شاید لوگ مجھے اس لیے قاتل وہیل کہتے ہیں کیونکہ انھوں نے مجھے چھوٹی چھوٹی وہیلوں کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے لیکن میں انسانوں کو نہیں کھاتی کیونکہ میں ان سے پیار کرتی ہوں۔'' ''جن کو تم انسان کہتی ہو یہ صرف اپنی خوشی اور اسپورٹ کے لیے وہیلوں کا شکار کرتے ہیں۔

''یعنی وہ ان کو کھاتے نہیں ہیں؟'' ''پوکا'' کا صدمہ بالکل صاف ظاہر تھا۔ ''یہ لوگ شیر کا شکار کر کے صرف اپنی بہادری ظاہر کرتے ہیں۔'' وہ تو اکثر ایک دوسرے کا بھی شکار کرتے ہیں۔''

''لیکن شاید سب انسان ایسے نہیں ہوتے ہوں گے!''

پوکا نے جواب دیا ''خدا کا شکر ہے کہ سب انسان ایسے نہیں ہوتے۔ کی کیسی ہے؟ میں اس کی جدائی سے غمگین ہوں۔''

''وہ ٹھیک ہے لیکن تمھاری جدائی سے وہ بھی غمگین ہے۔ وہ یہ جان کر خوش ہوگی کہ ہم نے ایک دوسرے کو پالیا ہے۔'' ''تم تنہائی کی خوشی کا گانا گارہی تھیں۔ کیا واقعی تم دوسری وھیلوں سے الگ رہ کر خوش رہتی ہو؟ ادتیہ اس وقت اونا کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کی جدائی سے وہ کافی بے چین تھا۔ ''ہاں اس وقت تو ایسا ہی ہے۔ میں نے سب سے الگ رہنا اس لیے پسند کیا کہ میرے ساتھ کی دوسری وہیلیں جو کھانا کھارہی تھی وہ صرف انہی کی بھوک مٹانے بھر کو تھا۔ میں اس فیملی میں سب سے زیادہ کھانا کھانے والی وہیل ہوں اور میری وہاں موجودگی شاید ان کو پسند نہ آئی۔'' ''میرا خیال ہے کہ مچھیروں نے ضرورت سے زیادہ شکار کرلیا ہے۔'' ادتیہ بولا۔

''زمین پر آدمی اس سے بہت زیادہ ہیں جتنی 'اورکائیں' پانی میں ہیں۔ ہم میں سے کوئی اورکا کبھی بھوک سے نہیں مری۔'' پوکا نے ایک زوردار سانس لیتے ہوئے کہا ''تم سے مل کر میں خود کو بہتر محسوس کرتا ہوں۔'' ''تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو! کیا تم کسی وجہ سے اداس تھے۔'' ''ہاں! میری ایک اچھی دوست اونا مجھے چھوڑ کر 'ترنن اوگ' چلی گئی ہے۔ وہاں کے ٹاٹھاؤں کے میوزک نے اسے کھینچ لیا ہے۔'' کیا وہ وہاں اپنی

خوشی سے گئی ہے" ہاں! شاید ایسا ہی ہے۔"'' تب تو تم کو اپنی دوست کی خوشی کے لیے خوش رہنا چاہیے۔" شاید میں کسی حد تک خودغرض ہوگئی ہوں۔" ادتیہ نے جواب دیا۔

"یہ تو بہت خوب صورت سیپ مچھلیاں ہیں۔" پوکا نے ایک چٹان کی طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا" کیا تم ان سے اپنا بدن سجاؤ گی؟" ادتیہ نے ہنستے ہوئے کہا" بے شک! سیپ مچھلیاں اسی لیے ہوتی ہی ہیں۔" پوکا نے اپنا سر انن سے رگڑتے ہوئے جواب دیا۔ اب اس کی پیٹھ کا ڈیزائن کچھ الگ ہوگیا تھا۔"میں اب کیسی لگتی ہوں؟" "بہت سندر" ادتیہ نے جواب دیا" اس وقت مجھے انسانوں کا میک اَپ کرنا یاد آ گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے وہ خود کو زیادہ بہتر محسوس کرتے ہیں۔" "میں اگر سیپ مچھلیوں سے اپنا سنگار نہ کروں تو میں اپنے کو کھویا کھویا محسوس کرنے لگتی ہوں۔ اگر تم خوب صورت چیزوں کا شوق رکھتے ہو تو تم کو ایسا ہی محسوس ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اندر سے تم ایک آرٹسٹ ہو۔" "تم ایسا کہہ سکتے ہو۔ کیا تم نے کبھی محسوس کیا ہے کہ مونگے کتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔" کی کہتی ہے کہ 'پولپ' سمندر کے سب سے بڑے آرٹسٹ ہوتے ہیں۔" اس وقت اچانک پوکا نے گانا شروع کردیا۔ ادتیہ بڑی دلچسپی سے اس کا گانا سننے لگا۔

میں 'ای۔ یوہ' کی تعریف کرتی ہوں
جو بہت مضبوط اور خوب صورت ہے
وہ ہمارے بچوں کا ٹیچر ہے
اور ہمیں بیماری سے شفا دیتا ہے
میں اس کی تعریف کرتی ہوں کہ اس نے کس طرح ہمیں سکھایا۔

سمندر میں سالمن مچھلیوں کو پکڑنا
وار،کرل کی مزے دار آواز سننا
اور بغیر بولے ہوئے بولنا
اور اپنی جلد سے سپنے دیکھنا
اور ناچنا جس سے پانی میں جھاگ اٹھنے لگیں
میں 'ای۔یوہ' کی تعریف کرتی ہوں
جو مضبوط اور خوبصورت ہے
اور ہمارے بچوں کا ٹیچر ہے
اور ہمیں بیماری سے شفا دیتا ہے۔ وی ای ای ای ای....

''یہ تو بہت ہی سندر گانا تھا پوکا!'' ''مجھے کشتی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔'' ہمیں فوراً چھپ جانا چاہیے۔'' یہ کہتے ہوئے ادتیہ پانی کے اندر گہرائی میں چلا گیا۔ ''چھپنا کیسا!'' مجھے تو کشتیاں اچھی لگتی ہیں اور میں انسانوں کو بھی پسند کرتی ہوں۔'' پوکا نے جواب دیا۔ ادتیہ نے نیچے ہی سے کشتی کو دیکھا۔اس کے اندر ایک آدمی تھا اور ایک چھوٹا سا شکاری کتا جو برابر بھونکے جارہا تھا۔ پوکا نے سر اٹھا کر پانی کو ہوا میں اچھال دیا۔آدمی نے فوراً ہی کتے کو پوکا کی پیٹھ پر چھوڑ دیا۔ اس کے دانت پوکا کے جسم میں گڑ گئے۔ درد سے کراہتے ہوئے پوکا نے ڈبکی ماری۔ آدمی نے ہنستے ہوئے کتے کو واپس کشتی میں کھینچ لیا۔ادتیہ نے چاہا کہ وہ کشتی الٹ کر اس آدمی کی ناپاک ہنسی بند کردے لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھا اور سمندر کی گہرائی کے اندر چلا گیا۔ ''کیا تم ٹھیک ہو پوکا؟اب کبھی ایسا مت کرنا۔تم نہیں جانتیں کہ ان کشتیوں میں کس طرح کے لوگ آتے ہیں۔'' ''کوئی بات نہیں! میرا خیال ہے کہ میں نے کتے کو خوفزدہ کردیا تھا لیکن آدمی بالکل نہیں ڈراتھا۔'' پوکا نے جب پھر اپنا سر پانی سے اوپر اٹھایا تو ادتیہ نے چیخ کر اس کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ادتیہ نے شرم اور دکھ کے ساتھ دیکھا کہ اس آدمی نے تیزی سے اپنی کشتی پوکا کی پیٹھ کے اوپر چڑھا دی۔ جب ادتیہ پوکا کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کا پانی لال ہورہا ہے اور پوکا درد سے کراہ رہی ہے۔ ''کیا تمھیں زیادہ گہرا زخم آیا ہے؟'' ہاں! درد ہورہا ہے لیکن یہ جلد ٹھیک ہوجائے گا۔ میں خود اس کو ٹھیک کرلوں گی۔ میں اپنی انرجی اس کے پاس بھیجوں گی۔ پھر بھی میں اسپنج کی طرح نہیں ہوسکتی۔تم اس کو کاٹ دو۔ وہ پھر جڑ کر ایک ہوجائے گا۔''

''تم بہت جلد اعتبار کرلیتی ہو پوکا!'' ادتیہ نے کہا ''میں کیا کروں! آخر اس آدمی نے ایسا کیوں کیا۔ میں تو چاہتی تھی کہ وہ مجھے پیار سے تھپتھپائے لیکن..... میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ کچھ انسان کسی دوسرے کو زخمی کرکے مزہ لیتے ہیں۔'' اگلی مرتبہ میں اس کشتی کو اس کی آواز سے پہچان لوں گی۔'ای-یوہ' نے مجھے سکھایا ہے کہ ہم آدمیوں کو خوش آمدید کہیں، کیونکہ ہمیں دیر تک باقی رہنے کے لیے، ایک دوسرے کو جاننا ضروری ہے۔ ہم ایک دوسرے کو بہت کچھ سکھا سکتے ہیں۔'' ''میرا خیال ہے کہ آدمی کو تمھاری ضرورت اس سے زیادہ ہے جتنی ضرورت تم کو آدمی کی ہے'' ادتیہ نے جواب دیا۔

جاری

■

ماخذ: اُدتیہ-سمندری لڑکا، مصنف: انیتا سرن، مصور: سُبیر رائے، مترجم: نامی انصاری، ناشران: (1) چلڈرن بک ٹرسٹ (2) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی (3) بچوں کا ادبی ٹرسٹ

نصیحت آموز باتیں

کہا جاتا ہے کہ کسی ملک میں ایک منصف مزاج بادشاہ تھا۔ وہ معمولی موٹے جھوٹے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ کسی نے اس سے کہا:

''اے اقبال مند بادشاہ! آپ کو تو ملک چین کا قیمتی ریشمی کپڑا پہننا چاہیے۔ یہ معمولی کپڑا آپ کو زیب نہیں دیتا۔''

بادشاہ نے جواب دیا:

بدن ڈھانکنے کے لیے یہ کپڑا کافی ہے اور اگر اس سے قیمتی ہو تو زیبائش اور فضول خرچی ہے۔ میں رعایا سے لگان اس لیے وصول نہیں کرتا کہ اپنا یا تخت و تاج کا بناؤ سنگار کروں۔ اگر میں عورتوں کی طرح قیمتی کپڑے اور زیور پہننے لگوں تو دشمنوں کا مقابلہ کس طرح کرسکتا ہوں؟ میرے دِل میں بھی اچھے کپڑوں کی خواہش ہوتی ہے لیکن سرکاری خزانہ میرا نہیں ہے، اس میں فوج اور لشکر کا حصہ ہے۔ یہ بادشاہ کی آرائش کے لیے نہیں ہے۔ رعایا درخت کی طرح ہے۔ اگر تم اس کی دیکھ بھال کرو تو اس سے پھل کھا سکتے ہو اور اگر تم اسے جڑ سے اکھاڑ دو تو خود اپنے اوپر ظلم کرو گے۔ دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو کمزوروں پر ظلم نہیں کرتے اور خود دکھ اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتے ہیں۔

وہ شخص یہ باتیں سن کر خاموش ہوگیا۔

ایک بار مشہور بزرگ حضرت شبلی نے ایک دوکان سے گیہوں خریدا اور وہ اسے بورے میں رکھ کر اپنے کاندھے پر گھر لائے۔ انھوں نے دیکھا کہ اس میں ایک چیونٹی پریشان ہے اور چاروں طرف دوڑ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر رات بھر حضرت شبلی کو نیند نہ آئی۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے سب سے پہلے چیونٹی کو اپنی جگہ واپس لوٹایا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں تھا کہ اس پریشان چیونٹی کو اپنی جگہ سے دور رکھوں۔ جو لوگ پریشان حال

ہیں ان کی پریشانی دور کرنا ہی انسانیت ہے۔ اگر خدا نے طاقت دی ہے تو کمزوروں کو ستانا نہیں چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ہم بھی چیونٹی کی طرح کسی کے پاؤں کے نیچے آجائیں مان لیا کہ ہم سے کمزور بہت لوگ ہیں لیکن آخر ہم سے طاقت ور بھی تو کوئی ہے۔

ترکستان کا ایک علاقہ ختن کہلاتا ہے۔ ایک بار وہاں کے بادشاہ نے ایک بزرگ کو ریشمی لباس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اسے قبول کرلیں اور اپنے استعمال میں لائیں۔ بزرگ نے بادشاہ کی خواہش کے مطابق اس لباس کو پہن لیا اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اس پر اپنی گدڑی پہنی اور کہلا بھیجا:

''بادشاہ نے جو لباس بھیجا ہے وہ بہت ہی اچھا اور قیمتی ہے لیکن میرا اپنا لباس اس سے زیادہ اچھا ہے۔ اگر انسان آزادرہ کر زمین پر سوئے تو اس سے زیادہ اچھا ہے کہ وہ قالین کے لیے کسی کی خوشامد کرے۔''

ایک بار ایک چھوٹا بچہ اپنے باپ کے ساتھ عید کے دن سیر کو نکلا۔ ہر طرف ایک میلہ سا لگا تھا اور کھیل تماشا ہورہا تھا۔ میلے میں بچہ تماشا دیکھنے میں اس طرح مشغول ہوگیا کہ باپ کا ساتھ چھوٹ گیا۔ جب کھیل ختم ہوا تو باپ کو نہ پاکر بہت پریشان ہوا اور اِدھر اُدھر بھٹکنے لگا۔ دوسری طرف باپ بھی میلے میں اسے تلاش کرتا پھرا۔ کافی دیر کے بعد باپ کی نظر بیٹے پر پڑی۔ باپ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:

''میں نے تجھے بارہا کہا ہے کہ میری انگلی پکڑے رہنا۔ بھیڑ میں راستہ سے بھٹک جانا مشکل نہیں ہے۔ آج تو نے خود دیکھ لیا کہ کیسی پریشانی ہوئی۔''

یہ دنیا بھی ایک میلہ ہے اور عوام بچوں کی طرح ہیں۔ یہاں بھی ہر وقت راستے سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے۔ منزل پر وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو نیک لوگوں کے دامن کو پکڑے ہوئے ہیں اور بزرگوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔

■

ماخذ: بوستاں کی کہانیاں، **مصنف:** علقمہ شبلی، **پانچویں طباعت:** 2013، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

چمن چمن کے پھول

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

میر تقی میر

دیوار کیا گری میرے خستہ مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لیے

سبط علی صبا

جاتے ہو خدا حافظ ہاں اتنی گزارش ہے
جب یاد ہم آجائیں ملنے کی دعا کرنا

جلیل مانک پوری

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سوگئے داستاں کہتے کہتے

ثاقب لکھنوی

چہرے پہ سارے شہر کے گردِ ملال ہے
جو دل کا حال ہے وہی دلی کا حال ہے

ملک زادہ منظور احمد

دنیا جسے کہتے ہیں بچے کا کھلونا ہے
مل جائے تو مٹی ہے کھو جائے تو سونا ہے

ندا فاضلی

شیشہ ٹوٹے غل مچ جائے
دل ٹوٹے آواز نہ آئے

حفیظ میرٹھی

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

اقبال ساجد

جانے کس کس کے لیے لوگ یہاں جیتے ہیں
میں جو زندہ ہوں تو اردو کے لیے زندہ ہوں

شیدا رومانی

خدا جانے مری تقدیر میں لکھا ہوا کیا ہے
وہیں بجلی چمکتی ہے جہاں میں گھر بناتا ہوں

سلیم ٹانڈوی

چار پیسوں کے لیے کاٹ کے جنگل انساں
کتنے معصوم پرندوں کو سزا دیتے ہیں

ایس ایم عقیل

چھوڑ کر جاؤں ترے شہر کی گلیاں کیسے
دل یہاں روح یہاں جسم یہاں جان یہاں

سیف الدین سیف

ٹوٹے اک خواب تو آنکھیں نہیں چھوڑا کرتے
جینے والے کبھی جینا نہیں چھوڑا کرتے

احمد کمال حشمی

■

ماخذ: منتخب اشعار برائے بیت بازی اور دیگر مقابلہ جات، مرتب: ڈاکٹر فوزیہ چودھری، سنہ اشاعت: 2014، ناشر: آن فائر پبلی کیشنز، بنگلور

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھ لیں کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

صائمہ صادق کھاتک، درجہ پنجم، اردو اسکول، سبھاش نگر، مہاراشٹر

الماس بیگم شیخ ذوالفقار، درجہ نہم، فاطمہ گرلس ہائی اسکول، بیگم پورہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

عبداللہ درجہ دوم، اینگلو عربک اسکول، مرادآباد، یوپی

نازیہ ملک، درجہ ہشتم، ٹی ایم پبلک اسکول، باری برہمنا، سامبھا، جموں

یاسمین بانو موسی شاہ، درجہ ہشتم
نور اردو ہوی اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

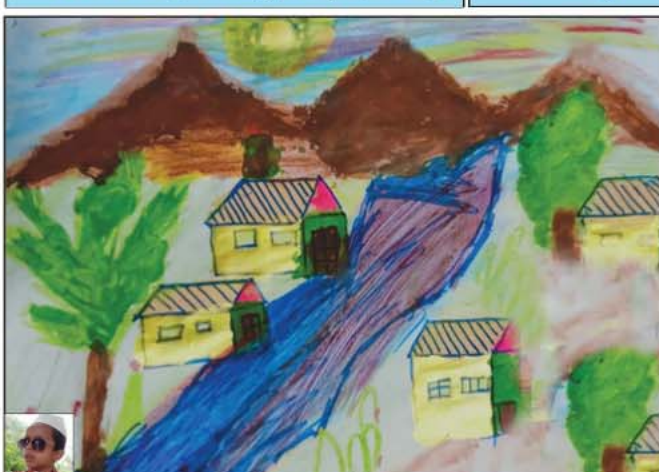

سید محتسب خضر قادری، درجہ پنجم، ہائی نیشنل اردو پرائمری اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

شیخ مصدق شیخ ظفر، درجہ پنجم، فاطمہ پرائمری اسکول، پربھنی، مہاراشٹر

عفت نسرین، درجہ ہفتم
سید نذرالاسلام (ایم ایس کے) اسکول، آسنسول، ویسٹ بنگال

عبدالحسیب انصاری
نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، بنگلور، کرناٹک

صدف ادیبہ شیخ منظور، درجہ پنجم، فاطمہ پرائمری اسکول، پربھنی، مہاراشٹر

رحمین فاطمہ اعجاز قریشی
محمد شریف سوداگر میموریل ہائی اسکول دے سائیں گنج، ورشہ، مہاراشٹر

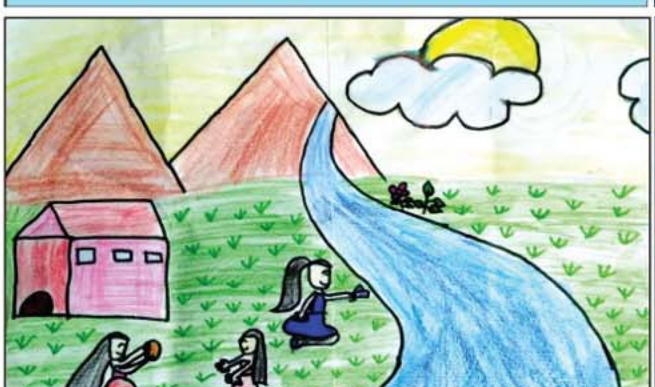

علینہ انصاری بنت ڈاکٹر عبدالحسیب انصاری
درجہ دوم، سینٹ جاسفن پبلک اسکول، انپورنیشوری نگر، بنگلور

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پا رہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (/https://www.urducouncil.nic.in) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

BACHON KI DUNIYA Monthly, September 2020 Vol. 08, Issue: 09
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/08/2020
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات: 112، قیمت: 25 روپے

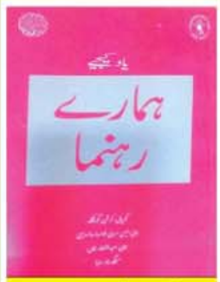

صفحات: 106، قیمت: 35 روپے

صفحات: 48، قیمت: 16 روپے

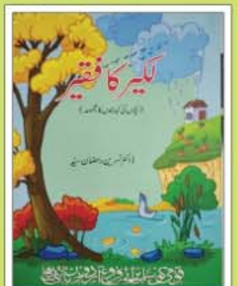

صفحات: 82، قیمت: 35 روپے

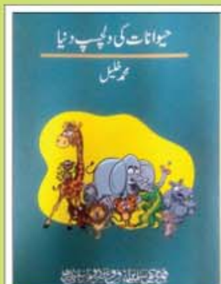

صفحات: 83، قیمت: 24 روپے

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

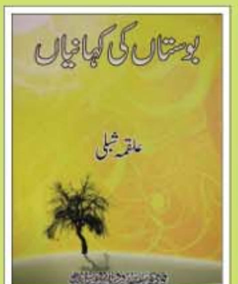

صفحات: 87، قیمت: 20 روپے

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.